27728
NAJAFI CASSETTE LIBRARY
(BOOKS SECTION)
Baitul Sajjad, opp. ... Park
Soldier Bazar, Karachi

اجتہاد

M. MUNSHA

NAJAFI CASSETTE LIBRARY
(BOOKS SECTION)
Baitul Sajjad, opp. Nishter Park
ACC No. 18080 Date 20/3/14
Section مناظرہ Status
D.D. Class
NAJAFI BOOK LIBRARY

نص و اجتہاد

تالیف

حضرت حجۃ الاسلام والمسلمین عبدالحسین شرف الدین موسوی

ACC No. 2728 Date
Section V/80 Status
D.D. Class
NAJAFI BOOK LIBRARY

ترجمہ

علامہ حیدر جوادی کراروی

نزیل نجفِ اشرف

NAJAFI CASSETTE LIBRARY
(BOOKS SECTION)
Baitul Sajjad, opp. Nishter Park
Soldier Bazar, Karachi.

ترتیب

ہماری گذارش	۴
ابتدائیہ	۶
تاویلات حضرت ابی بکر	۹
تاویلات حضرت عمر	۳۵
تاویلات حضرت عثمان	۱۱۵
تاویلات حضرت عائشہ	۱۱۹
تاویلات حضرت خالد	۱۳۵
تاویلات حضرت معاویہ	۱۳۸
تاویلات جمہور مسلمین	۱۴۸

ہماری گذارش

خداوند تعالی نے اسلام کی ترویج کے لئے جہاں ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر مبعوث فرمائے وہاں سب سے آخر میں اپنے حبیب خاص ختم الانبیاء حضرت سرور کائنات محمد مصطفےٰؐ کو آئندہ قیامت تک آنیوالی نسلوں کی ہدایت کے لئے قرآن حکیم دے کر بھیجا اور خود حضور پاکؐ کے اسوہ حسنہ کو بہترین نمونہ عمل قرار دیا

حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زندگی بھر قرآن مجید اور اپنی پاکیزہ سیرت و کردار سے اسلام کی تبلیغ کی، پتھر کھائے، مجنون و ساحر کہلانا برداشت کیا، ملکتہ التجار حضرت ام المومنین حضرت خدیجتہ الکبری سلام اللہ علیہا کی دولت نثار کی، جان نثار چچا حضرت ابو طالب کی رفاقت و حمایت میں شعب ابو طالب کا صبر آزما وقت گزارا، ہجرت کی تکلیف اٹھائی، جہادوں کی سختیاں خوشی سے جھیلیں کیا کچھ نہ ہوا لیکن تبلیغ دین سے منہ نہ موڑا ------ اور پھر آخر وہ وقت بھی آگیا جب رسول پاکؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا سے رخصت ہو رہے تھے تو آپ نے قیامت تک آنے والی نسلوں کی ہدایت کے لئے نہایت صاف اور واضح الفاظ میں ارشاد فرمایا،

انی تارکٌ فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی و اھل بیتی ان تمسکتم بھما لن تضلو بعدی

میں تم میں دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں کتاب خدا اور میری عترت اور میرے اہل بیت ہیں۔ اگر تم ان سے متمسک رہے تو میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ لیکن تاریخ کا افسوسناک باب ہے کہ حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے آخری وقت "ہمارے لئے صرف قرآن کافی ہے" کا نعرہ بلند کر دیا گیا۔ قرون اولی سے اب تک مسلمانوں کی گمراہی کا باعث مخبر صادق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کی روشنی میں یہی نعرہ قرار پاتا ہے۔ سنت سے انحراف کی بنا پر مسلمانوں نے قرآن مجید کی اپنی اغراض کے مطابق تاویلیں اور تحریفیں کیں۔ چنانچہ مسلمانوں کی تاریخ کے اوراق میں قرآن و سنت سے انحراف کی مثالیں جابجا ملتی ہیں۔ اور آج بھی پاکستان

میں صرف قرآن کافی ہے۔ اور سنت رسول سے انحراف کی بازگشت ڈنکے کی چوٹ سنائی دے رہی ہے۔

اگر صرف قرآن کافی ہے تو قرآن کے ان الفاظ کو پیش نظر رکھا ہوتا ------- کہ تاقیام قیامت "اللہ کی سنت کو ہرگز متبدل اور لائق انتقال نہ پاؤ گے" (قرآن حکیم) لا تبدل لکلمات اللہ (قرآن حکیم) کلمات الہیہ میں کوئی رد و بدل نہیں۔ عجب ثم العجب کہ ایمان بالقرآن کا دعوی' اس کے بعد یہ قرآن و سنت میں تاویل' نص صریح کی موجودگی میں انحراف' زیر نظر کتاب میں فاضل مولف مرحوم نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد قرآن و سنت کی موجودگی میں ہونے والی خطائے اجتہادی پر شرح و بسط کے ساتھ کچھ اس خوبصوت اور جامع انداز میں روشنی ڈالی ہے کہ حق نکھر کر سامنے آجاتا ہے۔

سرکار مولف مرحوم کا شمار ہمارے بزرگ ترین علماء میں ہوتا ہے۔ مرحوم کی ایک دوسری تصنیف "المراجعات" کو بین الاقوامی شہرت کا اعزاز حاصل ہوا۔ چنانچہ اب تک اس کے ا نگنت ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ ہم کوشش میں ہیں کہ المراجعات کا ترجمہ بھی جلد از جلد پیش کریں۔ زیر نظر کتاب نے بھی شائع ہوتے ہی علمی دنیا میں اپنی بے مثال عظمت کا لوہا منوا لیا۔ عربی زبان میں اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہو کر ہاتھوں ہاتھ نکل چکے ہیں۔

اس کتاب کے ترجمے اور تلخیص کا فرض ملت جعفریہ کے نوجوان فاضل قلمکار حضرت علامہ حیدر جوادی کراروی مدظلہ العالی نے ادا فرمایا ہے۔ ترجمہ کی روانی اور شگفتگی آپ سے داد حاصل کر کے رہے گی۔

ناشرین

NAJAFI BOOK LIBRARY
Shop No. 11, M.I. Heights Mirza Kaleej Baig Road, Soldier Bazar Karachi.
MASOOMEEN WELFARE TRUST (R)

ابتدائیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

"ساری تعریف معبود حقیقی اور خدائے برحق کے لئے۔"

وہ خدا کہ جس نے اپنے حبیب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علم ماکان و مایکون دے کر جامع السعادات بنا دیا۔

وہ خدا کہ جس نے اپنے رسول کو خاتم الانبیاء اور ان کی شریعت کو خاتم الشرائع قرار دے کر اس کے حلال و حرام کو اس طرح دائمی و ابدی بنا دیا کہ پھر باجماع مسلمین کسی کو تغیر و تبدل کا کوئی حق باقی نہ رہا۔

وہ خدا کہ جس کے اصول محکم، قوانین مستحکم اور احکام مستقیم ہیں۔

وہ خدا کہ جس نے اپنے الطاف و مراحم سے امت اسلامیہ کے لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کے لئے نجات کا سامان یوں مہیا کر دیا کہ انہیں ثقلین کے حوالے کر کے ابدی ضلالت و جہالت سے بچا لیا۔

وہ خدا کہ جس نے امت کو قوانین و اصول کا دستور دینے کے بعد انہیں یہ طریقہ تعلیم کیا کہ الفاظ کے ظاہری معنی پر اعتماد کریں اور اپنی عقل و رائے کے مطابق تاویل و تفسیر نہ کریں۔

"حیف صد حیف مسلمانوں پر"

وہ مسلمان کہ جنہوں نے خدا اور رسولؐ کے بیان کئے ہوئے طریقے کو ترک کر کے اپنی رائے سے اجتہاد و تاویل کے دروازے کھول دیے۔

وہ مسلمان کہ جنہوں نے قرآن و سنت کے ظاہری معنی سمجھتے ہوئے صرف اپنے ذاتی بغض و عناد کی بنا پر ان کے مفاہیم کا انکار کر دیا اور اس طرح اپنی گمراہی کے ساتھ امت کی بربادی کا بھی انتظام کر دیا۔

اما بعد ------- ہماری یہ کتاب صرف ان موارد کو بیان کرے گی کہ جہاں صدر اسلام کے بعض بزرگوں نے اپنی ذاتی خواہش اور طبعی رجحان کی بنا پر قرآن و سنت کی بے محل تاویل کی ہے تاکہ اس کے ذریعہ آج کی مسلم اکثریت کو اس کے اسلاف کے بعض کارناموں سے روشناس کرایا جائے۔ اس کے بعد فیصلہ کی توقع ناظرین کرام سے ہے اور توفیق کی التجا خدائے کریم سے۔

مولف

تاویلات

حضرت ابی بکر

مورد سقیفہ

آہ! وہ وقت جب کہ حضرت ابی بکر نے خلافت کے لئے ہاتھ بڑھایا اور ایک جماعت نے ان کے ہاتھ پر بیعت بھی کرلی اوراس طرح حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کے اس صریحی حق کا انکار کردیا گیا جسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابتداء تبلیغ سے آخر عمر تک بیان کیا تھا (میں نے ان تمام روایات و نصوص کو اپنی کتاب مراجعات میں ذکر کردیا ہے جس میں مصر کے جامعہ ازہر کے رئیس شیخ سلیم سے مباحثہ کیا گیا ہے اور اس طرح ۱۱۲ مرتبہ خط و کتابت کی نوبت آئی میری خواہش ہے کہ اہل نظر کلام رسول صلعم کو نبض قرآن سند و دلیل تصور کریں)

انکار حدیث شاید ہی دنیا میں کسی حدیث کا اس طرح انکار کیا گیا ہو جس طرح کہ احادیث خلافت امیرالمومنین کا انکار کردیا گیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابتدائے تبلیغ سے تاحیات بلکہ آخری وقت میں بھی حدیث ثقلین کے ذریعہ اہل بیتؑ کی عظمت اور ان کی قرآن سے ہم آہنگی کا اعلان کیا۔ لیکن امت نے سقیفہ میں ان سب کو نظرانداز کردیا۔

بنی ہاشم سے اعراض وہ اہل بیت کہ جن میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باب حطہ سفینۂ نجات ، حبل ممدود ، ثقل اکبر، باب العلم اور معدن نبوت قرار دیا تھا ان کے افکار کے ساتھ ساتھ بنی ہاشم کے ان ارباب فکر کو بھی نظرانداز کردیا گیا جو ان افراد سے یقیناً بہتر تھے کہ جن میں اس وقت کی خود ساختہ اصطلاح میں اہل حل و عقد قرار دیا گیا تھا۔

بیعت پر اصرار اپنے احباب و اتباع سے بیعت لینے کے بعد حکومت وقت کی نظر بنی ہاشم کی طرف مڑگئی اور ان سے جبریہ بیعت لینے کے منصوبے بننے لگے۔ یہاں تک کہ ان کے گھر کو آگ لگانے کا ارادہ کرلیا گیا۔ ہم نے یہ مان لیا کہ اہل بیتؑ کی شان میں کوئی نعص وارد نہ ہوئی تھی انھیں علم و ادب ، شجاعت و سخاوت ، اخلاق و اکرام کے میدان میں سبقت حاصل نہ تھی لیکن کم از کم ان کا مرتبہ ایک صحابی کا تو ضرور تھا پھر کیا اتنا ممکن نہ تھا کہ اس قدر خلافت میں تاخیر کی جاتی کہ وہ دفن رسول صلعم سے فارغ ہوکر واپس آجاتے؟ کیا اس طرح ان کے دکھے ہوئے دلوں کا علاج اور زخم جگر کا مداوا نہ ہوجاتا؟ کیا اس طرح نبوی تعلیمات اور اسلامی اخلاقیات کے اقدار کا اظہار نہ ہوتا؟ یقیناً سب کچھ ہوتا لیکن وہاں تو خطرہ صلاحیتوں کا تھا۔ اس لئے فکر تھی کہ مطلب کو جلد ختم کیا جائے۔ اور موقع سے فائدہ اٹھالیا جائے ایسا نہ ہو کہ بنی ہاشم دفن سے فارغ ہوکر واپس آجائیں اور ہمارے منصوبوں میں دخل اندازی کریں۔ ادھر سعد بن عبادہ سے بشیر و عویم و معن کا حسد کام آگیا اور انھوں نے صرف سعد کی مخالفت کرنے کے لیے بیعت کے لئے ہاتھ بڑھا دیا اور اس طرح تین آدمیوں کا قدیم منصوبہ وقتی طور سے کامیاب ہوتا نظر آیا۔

نزاع مہاجرین و انصار یہ توہم نہ ہونا چاہیئے کہ بیعت کا کام جلدی مکمل ہوگیا نہیں نہیں فضاؤں میں آج تک کچھ شور و شغب کی صدائیں اور کچھ مخالف نعرے محفوظ ہیں جنھیں مصلحت وقت نے ہر امکانی قوت سے دبانا چاہا پہلے انصار کی مدح سرائی کی گئی پھر ان کی رائے میں افتراق ڈالا گیا۔ اور جب کام کسی حد تک روبراہ ہوگیا تو حرب و ضرب قتل و احراق کی نوبت آگئی۔ اور اس طرح پہلی بیعت کا معاملہ طے ہوا اور لوگ مسجد رسول صلعم کی طرف یوں چلے جیسے کسی عروس کو گھر لے جاتے ہیں۔

امامؑ کی قربانی حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کو ان خفیہ ریشہ دوانیوں کا بھی علم تھا جو حیات رسول صلعم سے ہورہی تھیں اور ان واضح اقدامات کا بھی علم تھا جو وفات

رسول صلعم کے غنیمت موقع پر کیئے جارہے تھے امام کے لئے ممکن تھا کہ جہاد کرکے اپنے جائز حق کو حاصل کرلیں لیکن آپ نے بقاء اسلام اور حفظ احکام کی خاطر اپنی ذات کو قربان کردیا۔

امامؑ کا احتجاج حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے نزاکت وقت کا خیال کرتے ہوئے یہ مناسب خیال کیا کہ حکومت وقت کو کسی حد تک محسوس کرادیا جائے کہ وہ قطعی حق پر نہیں ہے۔ ایسا نہ ہو کہ میری خاموشی سے وہ مکمل طریقہ پر ناجائز فائدہ اٹھالے اور آئندہ آنے والی نسلوں کو صحیح مرکز کا پتہ نہ چل سکے۔ اس لئے آپ نے حضرت ابوبکر سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر تمھاری دلیل قرابت ہے۔ تو میرا تقرب رسول صلعم سے زیادہ ہے اور اگر تمہارا برہان ابرہان شوری ہے تو یہ کیسا مشورہ تھا کہ جسمیں اہل رائے و فکر موجود نہ تھے۔

ناگہانی بیعت ظاہر ہے کہ یہ بیعت ایسی ناگہانی تھی جس سے بقول حضرت عمر سوائے شر و فساد کے کوئی اور توقع نہ تھی۔ اس لیئے انھوں نے دوبارہ ایسے اقدام سے منع کرتے ہوئے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس نے اس بیعت کے شر و فساد سے بچالیا۔ حالانکہ انصاف یہ تھا کہ شکریہ اسی امام کا ادا کیا جائے جس کی خاموشی سے یہ شر و فساد ظاہر نہ ہوسکا اسلام ہمیشہ ہمیشہ کے لیئے محفوظ ہوگیا اور اسے دوام و ثبات کی سند حاصل ہوگئی۔

مورد استخلاف آہ آہ وہ نامسعود ساعت کہ جس میں حضرت ابوبکر نے خلافت حضرت عمر کے سپرد کی۔ تعجب بالائے تعجب! انسان زندگی بھر استغنا ظاہر کرے اور چلتے وقت اس طرح دوسرے کے حوالے کرجائے کہ گویا اس کی ذاتی ملکیت یا پدری میراث ہے حیف صد حیف! اس ثقل اکبر، سفینہ نجاب ، باب حطہ ، امان اہل ارض سہیم قرآن کے حق کو نظرانداز کردیا گیا جس کے لیئے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تصریح کی تھی جس کے اتباع کو نجات کا ضامن قرار دیا تھا۔

مورد جنگ موتہ ۸ جمادی الاولی میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

لشکر بھیجا اور یہ ترتیب معین کی کہ پہلے امارت لشکر زید کے ہاتھوں ہوگی پھر جعفر کے پھر عبداللہ بن رواحہ یا بنا بر روایات امامیہ پہلے جعفر پھر زید پھر عبداللہ۔ بہرحال یہ مسلم ہے کہ حضرت رسول اکرم نے زید کی صلاحیت پر مہر تصدیق ثبت کردی تھی لہٰذا اب اگر زید کی امارت کی مخالفت کی جائیگی تو یہ اجتہاد مقابل نص صریح ہوگا۔ اس جنگ کا سبب یہ تھا کہ حضرت رسول اکرم صلعم نے اپنے صحابی حرث بن عمر ازدی کو بادشاہ بصری کے پاس دعوت اسلام کے لیئے روانہ کیا راستہ میں سر جبیل بن عمر نے روک کر سوال کیا کیا تم محمد صلی اللہ علی وآلہ وسلم کے قاصد ہو؟ انھوں نے اعتراف کرتے ہوئے بتایا کہ شام کا قصد ہے اس بنیاد پر اس نے گرفتار کرکے قتل کرادیا۔ تب حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فوج روانہ کی۔ اس کے علاوہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک فوج فتح شام کے لیئے اسامہ بن زید کے ساتھ روانہ کی تھی۔ اور ان دونوں کا یہ اثر ہوا کہ شام و روم کے قلوب پر اسلامی ہیبت چھا گئی۔

موقف جعفر کیا کہنا اس اطمینان نفس کا کہ انسان تین ہزار کا لشکر لے کر دو لاکھ فوج سے ٹکرا جائے اور وہ بھی اس طرح کہ اپنے گھوڑے کے پیر قطع کردے اور خود اپنے دونوں ہاتھ کٹا دے لیکن سکون و اطمینان میں فرق نہ آنے پائے۔ یہاں تک کہ خود پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خبر دیں کہ میں نے جعفر کو کل رات ملائکہ کے ساتھ پرواز کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

موقف زید و عبداللہ قابل صد تحسین ہے زید کا وہ اقدام کہ جس میں لاکھوں نیزوں کی پرواہ کیئے بغیر مجاہد آتش جنگ میں کود پڑا اور اسلام پر جان قربان کردی۔ اور حیرت انگیز ہے عبداللہ کا وہ اطمینان نفس کہ جس میں دو لاکھ افراد سے ایسا مقابلہ کیا کہ جب ایک عزیز نے زخم کے علاج کا سامان مہیا کیا اور دفعتا فوج میں غل پڑگیا تو تلوار لے کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ فرمایا افسوس کہ میں ابھی زندہ ہوں! کسی شخص نے مشورہ دیا کہ دشمن کی کثرت کی اطلاع حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو

دے دی جائے۔ تو فرمایا کہ ہم کثرت و قلت کے تابع نہیں ہیں۔ ہم اپنے ایمان و عقیدہ کی قوت سے جنگ کررہے ہیں۔ " **فیالیتنا کنا معھم فنفوز فوزا عظیما** "۔

مورد سریہ اسامہ بن زید ۶ صفر ۱۱ھ کو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک فوج تیار کرکے اسامہ بن زید کو اس کا رئیس قرار دے کر مسلمانوں کو حکم دیا کہ شام جاکر جنگ کریں اور تبلیغ اسلام کا فریضہ انجام دیں یہ وہ اہم لشکر تھا جس میں اعیان مہاجرین و انصار مثل حضرت ابوبکر و عمر و ابوعبیدہ و سعد سب شریک تھے اور حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود تمام اسباب مہیا کئے تھے ابھی دو دن گزرے تھے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مرض الموت میں مبتلا ہوگئے ایسی حالت میں آپ نے اصحاب کی سستی کا احساس کیا اور باہر تشریف لاکر دوبارہ حکم صادر فرمایا کہ سفر میں عجلت سے کام لینا چاہیے یہاں تک کہ اسامہ سے فرمایا کہ صبح سویرے یہاں سے سفر کرکے اہل انبی تک پہنچ جاؤ۔ اور اتنی تیز رفتاری سے چلو کہ تمھاری جنگ کی خبریں تمھارے بعد پہنچیں لیکن افسوس کہ ان تمام تاکیدات کے باوجود لوگوں نے اسامہ کی امارت میں طعن و طنز شروع کردیا۔ یہاں تک کہ حالت مرض میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کو باہر آنا پڑا اور مکرر یہ حکم دینا پڑا کہ تم لوگوں کو جانا چاہیے تم نے ایک دن زید کی امارت پر اعتراض کیا تھا اور آج اسامہ کی امارت میں شک کررہے ہو۔ خدا کی قسم اسامہ اس کا اہل ہے۔ یہ فرما کر آپ صلعم نے اسامہ کو روانہ کیا۔ یہ لوگ روانہ ہوئے اور دو شنبہ بارہ ربیع الاول کہ جب بقول جمہور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وقت آخر تھا واپس آگئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال پر سارا لشکر مدینہ واپس آگیا اور اب یہ سرگوشیاں ہونے لگیں کہ اس تحریک کو ختم کردیا جائے۔ لیکن جب حضرت ابوبکر سے مشورہ ہوا تو انھوں نے شدت سے انکار کیا یہاں تک کہ حضرت عمر کی ریش پکڑ کر یہ کہا کہ "تیری ماں تیرے ماتم پر بیٹھے۔ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی صریحی مخالفت کرنا چاہتا ہے"؟ آخر کار اسامہ تین ہزار کا

لشکر لے کر روانہ ہوئے جس میں ایک ہزار گھوڑے تھے لیکن وہ حضرات نہ گئے جن کے لیئے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاص اصرار تھا۔ یہاں تک کہ بقول صاحب ملل و نحل آپ نے نہ جانے والوں پر لعنت بھی فرمائی تھی اور ظاہر ہے کہ اس انکار کی وجہ اور کیا ہوسکتی ہے سوائے اس کے کہ ان حضرات نے کلام رسول صلی اللہ علیہ وآلہو سلم کی صریحی مخالفت کی اور نص نبوی کے مقابلی میں اجتہاد سے کام لے کر یہ طے کرلیا۔ کہ ہمارا نہ جانا ہی اولی ہے اور وہ اس لے کہ جنگ تو بغیر ہمارے بھی فتح ہوسکتی ہے لیکن خلافت میں اگر ہم نہ رہے تو وہ دوسرے خاندانوں میں منتقل ہوجائے گی اور اس طرح طمع وہ حرص نے انھیں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صریحی مخالفت پر آمادہ کردیا۔

مقصد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حقیقت امر یہ ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقصد صرف یہ تھا کہ ایسے غیر مناسب حضرات مدینہ سے باہر چلے جائیں کہ جو میرے بعد خلافت کے مدعی ہونے والے ہیں تاکہ امر خلافت باطمینان و سکون اپنی منزل حقیقی تک منتہی ہوسکے۔ اور اسی لیئے آپ صلعم نے اس قوم پر ایک سترہ برس کے جوان کو امیر بنادیا تھا تاکہ ان کی انانیت کا بھی علاج ہوسکے۔ لیکن قوم نے فورا تاڑلیا اور پہلے تو امارت ہی پر اشکال کیا پھر جانے میں سستی برتی۔ اور جب یہ سب بیکار ثابت ہوگیا تو بعد وفات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لشکر کو معطل کرنے کی فکر کی اور پھر اسامہ کو معزول کرنے کی ٹھان لی۔ یہی وہ مقامات تھے جہاں ذاتی عقائد و افکار کو نصوص صریحہ پر مقدم کیا جارہا تھا تاکہ خلافت کو حکومت کا جامہ پہنا کر اس پر قبضہ کرلیا جائے۔

معاذیر شیخ الاسلام بشری نے ہمارے بعض مراسلات میں ان اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے یہ بیان کیا ہے کہ رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اگرچہ سرعت سیر اور تندی رفتار کا حکم دیا تھا لیکن افسوس کہ لشکر کی روانگی کے فورا بعد ہی آپ مرض الموت میں مبتلا ہوگئے۔ اس لیئے صحابہ کرام نے کمال محبت کی بنا پر آپ کو اس

وقت تک کے لیئے چھوڑنا مناسب نہیں سمجھا جب تک کہ آپ کی موت و حیات کا فیصلہ نہ ہوجائے اور ظاہر ہے کہ رموزالفت اور رموزمحبت سے ہر شخص آشنا ہی نہیں ہوتا نہ یہ باتیں قابل اعتراض ہوتی ہیں۔

اسامہ کی امارت پر اعتراض درحقیقت فطرت بشری کی ترجمانی تھی۔ اس لیئے کہ انسان طبعاً کسی کم سن کی حکومت کو قبول نہیں کرتا اگر وہ خود بزرگ ہو۔ اس میں قول رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوئی توہین نہیں ہے۔ وفات رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد معزولی کے مطالبہ کی بھی بعض لوگوں نے یہ توجیہہ کی ہے کہ صحابہ کرام کو یہ توقع تھی کہ شاید حضرت صدیق بھی ہماری رائے پسند فرمالیں (اس کے بعد موصوف فرماتے ہیں) درحقیقت حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مرض کی حالت میں وہ اہتمام اس امر سے سازگار نہیں ہے کہ صحابہ کرام اس قسم کے اقدامات کریں۔ لہٰذا اس مطالبہ کی مصلحت کا علم خدا کو ہے۔

صحابہ کا اس امر پر اصرار کہ اب لشکر نہ بھیجا جائے صرف اس بنا پر تھا کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کے بعد مدینہ کو کفار و مشرکین سے شدید خطرہ تھا اس لیئے ان حضرات نے نہ چاہا کہ اسلامی قوت کو دوسری طرف متوجہ کردیا جائے اور اس طرح کفار کے لیئے راستہ ہموار ہوجائے۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت صدیق نے اس مطالبہ کو ٹھکرادیا۔ لہٰذا وہ محل اعتراض سے خارج ہیں۔ باقی حضرات حسن احتیاط کی بنا پر ممدوح ہیں حضرت ابوبکر و حضرت عمر کے تخلف کا راز یہ تھا کہ اسلامی شوکت کا سارا دارو مدار انھیں حضرات کی ذات پر تھا۔ تو پھر ظاہر ہے کہ ایسے افراد کی امت اسلامیہ کو ایسے وقت میں کتنی ضرورت تھی۔ جہاں تک شہرستانی کی نقل کا تعلق ہے اس کا جواب واضح ہے۔ اس لیئے کہ یہ روایت مرسلہ[1] ہے اور احلانی و حلبی وغیرہ نے اس کا انکار بھی کیا ہے لہٰذا یہ محل اعتبار سے ساقط ہے۔

(مرسلہ وہ روایت ہے کہ جس کے راویوں کا سلسلہ معصوم تک نہ پہنچتا ہو جیسے کہ راوی زمانہ معصوم میں موجود ہی نہ رہا ہو اور اس کے مقابلہ میں روایت مسند ہے جس کا سلسلہ سند مذکور یا معلوم ہوتا ہے) (مترجم)

میں نے موصوف کے جواب میں یہ تحریر کیا تھا کہ خدا آپ کو سلامت رکھے۔ آپ نے ہمارے تمام اعتراضات کو تسلیم کرلیا ہے۔ اور ان کا یہ جواب دیا ہے کہ صحابہ نے مصلحت وقت کی بنا پر ایسے اقدامات کیئے تھے اور یہی ہمارا مدعی ہے کہ صحابہ اپنے افکار و آراء کو نص رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر مقدم کردیا کرتے تھے۔ اور جب اسامہ کے بارے میں اپنی خواہش کو مقدم کرسکتے ہیں تو کیا مانع ہے کہ خلافت کے بارے میں بھی ایسا ہی کریں۔ جب اسامہ کی کمسنی کو مانع حکومت قرار دے سکتے ہیں تو کیا عذر ہے۔ اگر حضرت علیؑ کی کمسنی کو بھی مانع قرار دیں۔ پھر آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ یہ بڈھوں کی فطرت ہی کہ بچوں کی حکومت اور اطاعت سے انکار کریں حالانکہ قرآن کریم نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اولوالامر کی اطاعت ہر شخص پر فرض کی ہے۔ اور ایسی ناقص فطرت کو باعث عذاب اور موجب عقاب قرار دیا ہے۔ جہاں تک روایت کے ارسال و اسناد کا تعلق ہے اس کے متعلق عرض ہے کہ شہرستانی نے اس روایت کے اسناد کو صرف اس لیئے ترک کردیا تھا کہ یہ ایک مسلم مسئلہ تھا ورنہ جوہری کی کتاب سقیفہ ملاحظہ کریں۔ اس میں یہ روایت مفصل بااسناد درج کی گئی ہے۔ اور پھر ابن ابی الحدید نے بھی اس روایت کو نقل کیا ہے۔ ملاحظہ ہو شرح نہج البلاغہ ج ۲ ص ۲۰ طبع مصر۔

مورد سہم مولفتہ القلوب ظاہر ہے کہ قرآن کریم نے زکوۃ کے مصرف میں ایک حصہ مولفتہ القلوب کا بھی قرار دیا ہے۔ اور حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس ترتیب پر عمل بھی فرمایا ہے۔ چنانچہ ایک جماعت کو مال اس لیئے دیا تاکہ ان کے دل نرم ہوں اور وہ اسلام قبول کریں۔ ایک طائفہ کو اس لیئے عطا فرمایا تاکہ اس کے اسلام میں قرار پیدا ہو جیسے ابوسفیان، معاویہ، عیینہ بن حصن، اقرعہ بن حابس، عباس بن مرواس وغیرہ۔

بعض لوگوں کو اس لیئے عطا کیا کہ ان کی وجہ سے دوسرے افراد اسلام لائیں۔

اگرچہ ممکن ہے کہ پہلی جماعت کو حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خمس کے ۱/۶ سے عطا کیا ہو جو آپ کا حق خاص تھا بہرحال یہ مسلم ہے کہ یہ آپ کی سیرت تھی جسے آپ صلعم نے تادم مرگ ترک نہیں کیا۔ وفات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد جب یہ لوگ حضرت ابوبکر کے پاس آئے تو آپ نے انھیں ایک کاغذ لکھ کر دے دیا۔ وہ اسے لے کر حضرت عمر کے پاس گئے۔ حضرت عمر نے کاغذ کو پارہ پارہ کردیا اور یہ کہہ دیا کہ اب اسلام قوی ہوگیا ہے ہمیں تمھاری ضرورت نہیں ہے (فجر الاسلام ص۲۳۸) وہ لوگ حضرت ابوبکر کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ آپ خلیفہ ہیں یا حضرت عمر؟ انھوں نے جواب دیا۔ انشاء اللہ عمر۔

پھر اس نظریہ کے بعد یہ حصہ زکوۃ ختم کردیا گیا۔ ظاہر ہے کہ یہ اجتہاد در مقابل نص ہے لیکن ہم اس وقت علامہ دوالیسی کے بعض معاذیر نقل کرتے ہیں تاکہ حضرات ناظرین محظوظ ہوسکیں وہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر کا اجتہاد حکم آیت کے مقابلہ میں نہیں تھا۔ اس لیئے کہ حکم شریعت ناقابل تغیر ہے۔ بلکہ اس اجتہاد کا تعلق مقدمات حکم سے تھا۔ گویا آپ نے یہ طے کرلیا تھا کہ یہ حکم اس دور کے لیئے تھا جب اسلام ضعیف تھا۔ اور آج جبکہ وہ علت ختم ہوگئی تو حکم کی بقاء یعنی چہ! اس کے بعد انھوں نے اس امر کی وضاحت کرتے ہوئے بتایا ہے کہ آج کی حکومت کا بھی یہی دستور ہے کہ اپنی قوت حاصل کرنے کے لیئے غریب اور مخالف طبقہ پر رقمیں صرف کرتی ہیں اور جب کام نکل جاتا ہے تو انھیں نظر انداز کردیتی ہے۔ ان حالات سے حضرت عمر نے یہ اندازہ لگالیا کہ اس سہم کا تعلق زمانہ غربت و ضعف سے ہے اس لیئے آپ نے اسے بند کردیا۔ بنا برین یہ حکم شریعت کی مخالفت نہیں ہے۔ بلکہ یہ اندازہ ہے کہ واقعا حکم انھیں حالات سے مخصوص تھا۔

اقول علامہ موصوف نے بار بار اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ حضرت عمر نے اسی سہم کو روک لیا تھا۔ اور یہ طے کرلیا تھا کہ اس کی مدت گزر چکی ہے ہمارا مدعی بھی صرف اتنا تھا کہ صحابہ اپنی رائے سے کچھ باتیں پیدا کرکے حکم شریعت کو باطل کردیتے

تھے۔ ورنہ قرآن کریم میں تو آیت غیر معطل ہے۔ یعنی اس میں اس حکم کی کوئی توجیہہ نہیں کی گئی۔ پھر اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ ہم ان لوگوں کے شر سے محفوظ ہو گئے (حالانکہ خلاف مشاہدہ ہے) تو یہ حقیقت تو ناقابل انکار ہے کہ ان کے اسلام کی امیدیں اب بھی باقی تھیں اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جہاں اہل شر کو اس سہم سے عطا کیا کرتے تھے وہاں کفار پر بھی صرف کرتے تھے تاکہ وہ اسلام میں داخل ہو سکیں اس جواب کے بعد ہم موصوف کے اصل مسئلہ کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں۔

ہم شیعہ اثنا عشری حکم خدا کے اطلاق و عموم کے مقابلہ میں کسی مصلحت کی کوئی قیمت اس وقت تک نہیں لگاتے جب تک کہ اس کے متعلق خود شریعت میں کوئی نص نہ وارد ہوئی ہو اور یہی شافعی و حنفی حضرات کا قول ہے۔ لیکن حنبلی حضرات ایسی مصلحتوں کو بھی معمول بہ تصور کرتے ہیں صرف فرق اتنا ہے کہ یہ نص کے مقابلہ میں ان مصالح سے کام نہیں لیتے ہیں۔ بر خلاف مالکی کہ یہ حضرات نص کے مقابلہ میں مصالح مرسلہ[11] کو مقدم کردیتے ہیں۔ البتہ صرف اس وقت جب نص کا تعلق خبر واحد[12] سے ہو اور یا ان عمومات سے جو قابل تخصیص ہیں۔ اس بیان سے معلوم ہوگیا کہ اسلام کے پانچوں فرقے اس امر پر متفق ہیں کہ یہ آیت قابل تخصیص و تغیر نہیں ہے۔ بلکہ اگر مسلمانوں کا اجماع اس امر پر نہ ہوتا کہ حضرت عمر و حضرت ابوبکر نے

(وہ مصالح کہ جو مجتہد اپنی نظر سے پیدا کرتا ہے اور انکا کوئی ضابطہ مقرر نہیں ہے)۔

(خبر واحد ہر اس روایت کو کہتے ہیں کہ جس کے راویوں کی بنا پر روایت کے معصوم سے صادر ہونے کا یقین نہ ہوسکے)۔

(آیت زکوۃ نے آٹھ قسم کے افراد کا ذکر کیا ہے کہ جن پر زکوۃ تقسیم کی جاسکتی ہے لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر مال آٹھوں قسموں پر تقسیم کیا جائے بلکہ تمام مال ایک قسم کو دے دینا بھی جائز ہے۔ اس لیئے کہ یہ اصناف مصرف ہیں مالک نہیں ہیں)۔

(مترجم)

چاہیئے کہ ہمارے مسائل ہماری کتابوں سے نقل کریں نہ کہ ابن حنبل کی کتابوں سے۔

اس حکم کو ختم کردیا تھا تو ہم بطور حسن ظن یہ کہتے کہ آیت زکوۃ نے آٹھ قسموں کو زکوۃ کا مصرف قرار دیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ مال زکوہ کو تمام اصناف پر تقسیم کردیا جائے تو فریضہ ادا ہوجاتا ہے۔ اور یہ مسلمانوں کا اجماعی مسئلہ ہے لیکن افسوس کہ مسلمانوں نے خود ہی بالاتفاق طے کرلیا ہے کہ دونوں نے حکم شرعیت کی مخالفت کی اور اسی لیئے تاویل کی ضرورت محسوس ہوئی۔ آخر کلام میں ہم علامہ موصوف کو بتا دینا چاہتے ہیں کہ شیعہ امامیہ کسی وقت بھی مصالح کو نص پر مقدم نہیں کرتے اور نہ ان کے مذہب میں اس قسم کی خرافات کا وجود ہے۔ موصوف کو

مورد سہم ذوی القربی آیت خمس میں بالصراحت ذوی القربی کا ذکر موجود ہے۔ اور اہل اسلام کا اتفاق ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اپنی زندگی میں ان حضرات کو خمس سے ایک سہم دیا ہے۔ لیکن حضرت ابوبکر کی حکومت کے بعد اس آیت میں تاویل ہوئی اور سہم نبی صلعم و ذوی القربی کو ساقط کردیا گیا۔ (کشاف) حضرت صدیقہ فاطمہ الزہرا سلام اللہ علیہا نے حضرت ابوبکر کے پاس فدک اور خمس خیبر کے مطالبہ کے لیئے بھیجا۔ لیکن حضرت ابوبکر نے انکار کردیا تو آپ اس قدر ناراض ہوئیں کہ تادم وفات تکلم نہیں فرمایا (بخاری و مسلم) غرض روایات صحیحہ سے یہ امر ثابت ہوچکا ہے کہ اہل بیتؑ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سہم قرابت زمانہ حیات رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک ملتا رہا۔ لیکن افسوس کہ اکثر آئمہ مسلمین نے حضرت ابوبکر و حضرت عمر کا اتباع کرلیا اور نص رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پرواہ نہ کی۔ مالک نے تمام خمس کا مالک والئ وقت اور امام کو قرار دیا۔ ابو حنیفہ نے سہم رسالت و قرابت کو ختم کرکے اہل قرابت کو باقی مسلمانوں کا ردیف بنادیا۔ مالک نے پانچ حصوں پر تقسیم کرکے ایک رسول کے لیئے ہے اور ایک قرابت داروں کے لیئے جو ان پر اثلاثاً تقسیم ہوگا باقی تین حصے اپنے محل میں تقسیم ہوں گے

اور اس طرح نص صریح کی مخالفت کے مرتکب ہوئے۔ ہم شیعہ امامیہ کا مذہب یہ ہے کہ خمس کے چھ حصے ہونگے سہم اللہ ، سہم الرسول ، اور سہم ذوی القربی کا حقدار امام وقت نائب رسول ہوگا۔ باقی تین سہم فقراء و مساکین تیامی و ابناء السبیل(۱) پر صرف ہوں گے۔

مورد وراثت انبیاء قرآن کریم کی آیات سے صراحتا یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ دین اسلام نے وراثت کا حکم اس طریقہ سے عام قرار دیا ہے جس طرح کہ صلوۃ و صوم کا حکم ہے۔ آیات وراثت ، آیات ارث،اولوالارحام ، آیات ارث حضرت زکریا اس امر پر شاہد عادل ہیں کہ قرآن کریم نے اس حکم کو نبی غیر نبی ہر ایک کے لیے عام طریقہ پر وضع کیا ہے۔ یہی وہ آیات تھیں جن سے حضرت فاطمہ زہراؑ نے میراث انبیاء پر استدلال کیا تھا۔ اور ان کے ماننے والے آج تک استدلال کررہے ہیں۔ اس لیے میراث(۲) کا تعلق اموال سے ہوتا ہے نہ کہ علم و حکمت سے علم و حکمت حقیقتاً ، قابل نقل و انتقال نہیں ہیں۔ کہ انھیں میراث قرار دیا جائے۔ پھر اگر نبوت میراث ہوتی تو زکریا فرزند نبی کے خوش اخلاق ہونے کی دعا نہ کرتے۔ اس لیئے کہ یہ دعا ایسے انسان کے لیئے لغو ہے۔ اس کے علاوہ حضرت زکریا کا خوف بتاتا ہے کہ آپ کو خطرہ اموال سے تھا ورنہ نبوت قابل خطرہ نہیں۔ اس کا ذمہ دار خلاق عالم ہے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ اموال کا خطرہ نبی کے بخل پر دلالت کرتا ہے اور یہ قبیح ہے تو ہم کہیں گے کہ اہل شر سے مال کی حفاظت بخل نہیں ہے۔ بلکہ کارخیر ہے اور اس کے خلاف عقلاءؑ کے نزدیک مذموم ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ میراث کے حقیقی معنی

(۱) ابن سبیل ہر اس شخص کو کہتے ہیں کہ جو عالم مسافرت میں ایسا پریشان ہوجائے کہ اس کے لیئے تمام وسائل معیشت مسدود ہوجائیں۔ اور پھر اپنے وطن تک بھی نہ پہنچ سکے۔

(۲) اس مطلب کی تفصیل اور اسکی علمی بحث میری کتاب "فدک" میں دیکھی جاسکتی ہے۔ (مترجم)

96.1.25 14

کا تعلق اموال سے ہوتا ہے۔ یہ لفظ علم و حکمت و بیں مجازا استعمال ہوتی ہے۔ اور وہ اس وقت بے محل ہے۔ اب ہم حضرت صدیقہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے موقف کو واضح کرتے ہیں۔ آپ نے مطالبہ میراث کیا۔ حضرت ابوبکر نے انکار کردیا تو آپ بے حد غضبناک ہوئیں۔ یہاں تک کہ جنازہ میں شرکت کی ممانعت کردی۔ پھر آپؑ کا تاریخی خطبہ آپ کے رنگ استدلال اور غیظ و ملال کا شاہد عادل ہے۔ آپ نے یہاں تک فرمایا کہ کیا تم نے عمدا حکم خدا کو ترک کردیا ہے۔ کہ وہ تو انبیاء میں میراث قرار دیتا ہے۔ یا تم عموم و خصوص سے میری اور میرے پدر بزرگوار کی نسبت سے زیادہ واقف ہو۔ یا تم میرے اور میرے باپ کی مذہب کو جدا جدا تصور کرتے ہو؟ ذرا ملاحظہ کریں بنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے آیات ارث انبیاء سے استدلال کیا اس کے بعد عموم میراث سے استدلال کیا۔ اس کے بعد قوم کی حمیت و غیرت کو چیلنج کیا جو حکم خدا و رسول صلعم کی مخالفت پر آمادہ تھی۔ اہل انصاف بتائیں کیا یہ ممکن تھا کہ ایسا واضح حکم (یعنی عدم وراثت اولاد انبیاء) بنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم نہ ہو جبکہ اس کا براہ راست تعلق آپ ہی سے تھا۔ کیا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احکام کو چھپا لیا کرتے تھے۔ اور مکمل طور پر تبلیغ نہ فرماتے تھے؟ کیا امیرالمومنین علی السلام جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باب العلم اقضی امت باب حطہ سفینہ نجات قرار دیا تھا اس حکم سے واقف نہ تھے؟ کیا حضرت ابوالفضل عباس کو جو اپنے باپ کی طرح عالم احکام تھے اس حکم سے واقف نہ تھے؟ کیا امہات المومنین کو یہ حکم معلوم نہ تھا کہ حضرت عثمان سے میراث کا مطالبہ کر بیٹھیں؟ معلوم ہوا کہ معاملہ احکام سے متعلق نہ تھا بلکہ سیاست سے متعلق تھا۔ اور سیاست کا تقاضا یہ تھا کہ حضرت فاطمہ علیہا السلام کو ان کے حق سے محروم کردیا جائے۔ اسی لیے آپ نے ایک کلمہ سے تمام امت اسلامیہ کی غیرت و حمیت کو چیلنج کردیا۔ اور وہ اس وقت کہ جب آپ کی زبان اقدس سے یہ الفاظ نکل رہے تھے:۔

"اے ابوبکر کیا ہمیں ہمارے باپ کے دین سے الگ تصور کرلیا ہے جو ہمیں ان کا وارث نہیں قرار دیتا؟ حیف صد حیف بنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باپ کے انتقال کے فورا بعد ایسے دلخراش اور جگر سوزنالوں پر مجبور ہوجائے " **انا للہ وانا الیہ راجعون** "۔

مورد عطیہ زہرا جب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیبر کے قلعے فتح کئے اور اہل فدک نے مرعوب ہوکر نصف اراضی پر آپ سے مصالحت کرلی تو آپ نے اسے اپنی خاص ملکیت ہونے کی بنا پر آیت حق ذوی القربی کے مطابق حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کو عطا کردیا۔ اور پھر یہ مال آپ کے زیر تصرف رہا۔ یہاں تک کہ غصب کرلیا گیا۔ یہ ہے امت اسلامیہ کا وہ اجماعی مسئلہ جسے تمام علماء نے نقل کیا ہے۔

امام رازی کہتے ہیں کہ حضرت زہرا علیہا السلام نے عطیہ کا دعوے کیا۔ تو حضرت ابوبکر نے جواب دیا کہ مجھے تمھاری صداقت کا اعتبار نہیں۔ آپ نے گواہ پیش کیئے لیکن نصاب ناتمام کہا گیا۔ ابن حجر کہتا ہے کہ دعوی عطیہ میں حضرت فاطمہ کا نصاب شہادت نا تمام تھا یہ ہی بیان ابن تیمیہ اور ابن قیم وغیرہ کا بھی ہے۔

اقول خدا مجھے معاف کرے اور حضرت ابوبکر سے حضرت فاطمہؑ اور ان کے آباو اولاد کو راضی کرے کاش انھوں نے ایسا اقدام نہ کیا ہوتا کہ جس سے امت اسلامیہ کے دل مجروح ہوگئے اور حکایت پراز حزن والم ہوگئی۔ کاش حضرت فاطمہ علیہا السلام کو مال دے دیا ہوتا اور اس طرح اپنی نرم دلی اور شدت احتیاط کا مظاہرہ نہ کیا ہوتا۔ کاش حق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کا خیال کیا ہوتا۔ اور حضرت فاطمہ علیہا السلام کو مایوس نہ پلٹایا ہوتا۔

یہی وہ امور ہیں کہ جن کی تمنا خلیفہ سے ان کے قدیم و معاصر معتقدین نے بھی کی ہے۔ چنانچہ اس مقام پر استاد ابو ریاح کا قول بھی خالی از لطف نہیں ہے وہ کہتے ہیں کہ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ خبرواحد سے کتاب کریم کے عمومات(ا) کی تخصیص

ہو سکتی ہے اور حدیث لانرث ولانورث صحیح ہے تو اتنا تو بہرحال کہہ سکتے ہیں کہ حق ولایت کی بنا پر حضرت ابوبکر کے لے ممکن تھا کہ ایک حصہ حضرت فاطمہ زہرا علیہاالسلام کو بھی دے دیتے جس طرح کہ زبیر اور محمد ابن مسلمہ کو متروکات رسالت میں حصہ دیا۔ یا جس طرح کہ حضرت عثمان نے خود فدک کو مروان کے حوالہ کیا۔

ابن ابی الحدید نے بعض بزرگوں سے یہ کلام نقل کیا ہے کہ حضرت ابوبکر و حضرت عمر کا یہ اقدام دین سے قطع نظر شرافت و کرامت کے بھی خلاف تھا اور اس کے بعد کہا ہے کہ یہ اعتراض لاجواب ہے۔

(ا) عصر حاضر میں یہ علم الرسول صلعم کی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اگر روایت معتبر ہو اور اس کے مقابلہ میں قرآن کریم کا کوئی عمومی حکم ہو تو اس روایت کا خیال کرتے ہوئے قرآن کی عمومیت سے دستبردار ہوجائیں گے لیکن جناب فاطمہ کا ابوبکر کی روایت پر اعتماد نہ کرنا اور آیت سے استدلال پر مصر رہنا ہمیں اس بات پر مجبور کرتا ہے کہ ہر روایت یا راوی کے اعتبار پر غور کریں۔ (مترجم)

تنقید ہمیں کسی کے رحم و کرم کی ضروری نہیں ہے۔ ہمارا سوال تو یہ ہے کہ کیا واقعا نصاب حکم ناتمام تھا؟ کیا خود حاکم کا حضرت فاطمہؑ کی صداقت کے متعلق یقین حکم کے لے ناکافی تھا؟ جسے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے افضل النساء العالمین اور سیدہ النساء قرار دیا تھا جسے روز مباہلہ کے لے منتخب کیا تھا جس کے جلال و جمال سے متاثر ہوکر نصاری نے مباہلہ کا خیال ترک کیا تھا جس کو وحی الٰہی نے مرکز تطہیر قرار دیا تھا جس کی محبت کو قرآن نے واجب کیا تھا اور جس پر صلوات شافعی کی نزدیک شرط صحت و قبولیت نماز ہے جس کی شان میں سورہ دہر قصیدہ بن کر نازل ہوا تھا۔ یقینا ایسی ذات مقدس کا کلام شہادت وبینہ سے مافوق ہونا چاہیئے تھا۔ لیکن حقیقتاً معاملہ وہ تھا جو علی بن فاروقی نے اس وقت ظاہر کیا کہ جب ابن ابی الحدید نے پوچھا کہ اگر حضرت فاطمہ علیہا السلام صادقہ تھیں تو حضرت ابوبکر نے فدک کیوں نہ دے دیا۔ اور انھوں نے جواب دیا کہ اگر آج ان کے قول کا اعتباء کرلیئے تو کل اپنے شوہر کے لیئے خلافت

کا دعوی کرتیں اور حضرت ابوبکر لاجواب رہ جاتے۔

شاید یہی فلسفہ تھا جس نے حضرت علی کی گواہی ماننے سے روک دیا۔ ورنہ ظاہر ہے کہ حضرت علی کی ذات وہ ہے جسے یہود و خیبر بھی عادل و معتبر جانتے تھے۔ پھر طرفہ تماشا یہ ہے کہ صاحب ید یعنی قابض سے گواہ مانگے گئے پھر گواہوں میں حضرت علی جیسے صادق القول کے کلام کو ٹھکرا دیا گیا۔ جبکہ رسول صلعم نے فقط خزیمہ کے قول کا اعتبار فرمالیا تھا۔ اور حضرت علی خزیمہ سے قطعا افضل تھے۔

اگر یہ مان لیا جائے کہ حضرت فاطمہ علیہا السلام کی گواہی کی ضرورت تھی اور حضرت علی علیہ السلام کی گواہی ناکافی تھی تو خلیفہ نے حضرت فاطمہ علیہا السلام سے قسم کیوں نہ لی۔ جیسا کہ قانون شریعت ہے اور پھر جبکہ حضرت فاطمہ علیہا السلام کی وہ شخصیت ہے کہ .ضغتہ النبی ہے اور حضرت علی علیہ السلام کی ذات وہ ہے کہ جسے آیت مباہلہ نے نفس رسول صلعم قرار دیا ہے۔ یہ وہ مصیبت ہے کہ جس پر اہل اسلام کو **انا للہ وانا الیہ راجعون** کی تلاوت کرنا چاہیے۔

مورد ایذاء زہرا سلام اللہ علیہا یہ یاد رہے کہ تمام اسباب و علل سے قطع نظر یہ امر قبیح خود بھی نصوص صریحہ کے مخالف ہے اس لے کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ حکم بعض لوازم کی بنا پر بدل جاتا ہے۔ مثلا فعل مباح اگر موجب عقوق والدین ہوجائے تو خود ہی حرام ہوجائیگا اب ذرا وہ نصوص ملاحظہ کریں کہ جن میں نبوت رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی عظمت بیان کی گئی ہے۔

اصابہ میں ابن ابی اعسم سے اور "شرف موید" میں طبرانی سے روایت ہے کہ اللہ تو حضرت فاطمہ علیہا السلام کے غضب سے غضبناک ہوتا ہے۔ بخاری و مسلم نے بھی یہ روایت نقل کی ہے نبہانی نے بھی تصریح کی ہے اور جامع صغیر میں بھی اس کا ذکر ہے۔ خود بنت رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بھی حضرت ابوبکر و حضرت عمر کو گواہ بنا کر اس روایت کو بیان کیا تھا۔ "الامامت والسیاست"۔

اقول ان احادیث کے انداز پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان اخبار میں

حضرت صدیقہ طاہرہ کی عصمت عظمت کا صراحتا اعلان کیا گیا ہے آپ ہی کی رضا و غضب پر خدا و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رضا و غضب کا دارو مدار ہے۔ امام احمد حاکم طبرانی ترمذی اصابہ استاد عقاد وغیرہ نے حدیث **غضب لمن غاربکم وسلم لمن سالمکم** کو بھی نقل کیا ہے۔

ان تمام احادیث کے پیش نظر امت کے اہل حل وعقد کا فریضہ تھا کہ ایسے غمناک موقع پر اہل بیت کا احترام کرتے اور ان کو تسکین دیتے لیکن حیف کہ بجائے تعظیم و تکریم کے مصائب کا پورا رخ انھیں کی طرف موڑ دیا گیا۔ (قصہ احراق بیت الشرف العقدالفرید ۵ ص ۱۲) یہاں تک کہ اہل بیت کی آواز کو صدا بصحرا بنادیا گیا۔ اور ان کے ابدی وقار کو ظاہرا ان سے سلب کرلیا گیا۔ **انا للہ وانا الیہ راجعون**

مورد قتل ذوالثدیہ حرقوس بن زہیر جو ایک خارجی محض آدمی تھا اور ذوالثدیہ کے لقب سے مشہور تھا ایک مرتبہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر و حضرت عمر کو اس کے قتل کا حکم دیا لیکن دونوں نے اس کو حالت نماز میں دیکھ کر چھوڑ دیا۔ اور اس طرح فتنہ کی جڑ باقی رہ گئی۔ اس روایت کی مفصل طریقہ سے ابو لیلی نے اپنی مسند میں انس سے نقل کیا ہے اور حافظ محمد بن موسی شیرازی نے اپنی کتاب میں بعض تفاسیر سے ابن عبدربہ نے اسے ارسال مسلمات کے طور پر بیان کیا ہے۔ جس میں رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ قول بھی درج ہے کہ اگر یہ شخص قتل ہوجاتا تو اسلام فتنوں سے محفوظ رہ جاتا۔ مگر افسوس کہ جب حضرت علی علیہ السلام کو حکم قتل ملا تو یہ ظالم فرار کرچکا تھا۔

مورد قتل ذوالثدیہ علامہ نوری نے مجھ سے یہ بیان کیا تھا کہ اس واقعہ کے بعد ایک مرتبہ حضرت ابوبکر نے اسے ایک وادی میں مشغول نماز دیکھا اور آکر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سفارش کی تو آپ نے دوبارہ قتل کا حکم دیا۔ لیکن انھوں نے مثل حضرت عمر دوبارہ پر پھر حکم سے سرتابی کی اور اس کی نماز کو حکم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مقدم کیا جب کہ رسول عالم الغیب بھی تھا۔ میں اس روایت کے

ماخذ کی تلاش میں تھا کہ دفعتاً مسند ابن حنبل کے جزو سوم میں سے یہ روایت یونہی نظر پڑی۔ جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کم از کم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دوسرا حکم باقاعدہ شناخت کے بعد تھا لیکن صحابہ نے اپنی رائے و فکر کو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مقدم کردیا۔ اور اس طرح نص کے مقابلہ میں اجتہاد کیا۔

مورد قتال اہل قبلہ تاریخ سے باخبر افراد پر یہ امر واضح ہے کہ وفات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد مسئلہ خلافت میں شدید اختلاف واقع ہوا۔ مسلمانوں نے ایک کمیٹی کرکے حضرت ابوبکر کو خلیفہ بنالیا لیکن عرب کے مختلف قبائل ایسے تھے جنھوں نے اس خلافت کو قبول نہیں کیا اور اسی نظریہ کے زیر اثر حضرت ابوبکر کو مال زکوہ دینے سے انکار کردیا۔ خلیفہ نے اپنی خصوصی میٹنگ میں ان افراد کے متعلق مشورہ کیا حضرت عمر نے شدت سے اصرار کیا کہ ان سے جنگ نہ ہونی چاہیئے۔ اس لیئے کہ یہ سب مسلمان ہیں۔ لیکن حضرت ابوبکر نے یہ اہتمام رکھا کہ یہ سب زکوۃ کے منکر ہیں لہٰذا ان سے جہاد ضروری ہے۔ چنانچہ اسی بناء پر مسلمانوں کا خون بہایا گیا اور اس طرح حضرت عمر کے مشورے کو نظر انداز کردیا گیا۔

اقول خدا بھلا کرے ہمارے خلیفہ کا ماشاء اللہ کتنی ذہانت اور دور اندیشی سے کام لیتے ہوئے منکر زکوہ بنادیا حالانکہ وہ بیچارے امر ولایت و امامت میں مشکوک تھے۔ اور ایسی حالت میں زکوہ دینا ناجائز تھا۔ لیکن ظاہر ہے کہ حاکم ناگہانی کو انصاف سے کیا مطلب؟ ہم نے یہ مان لیا کہ زکوہ حق مال ہے لہٰذا اس کی اہمیت زیادہ ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ مانع زکوۃ کو کافر بنادیا جائے جبکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کلمہ توحید کو باعث حفظ جان و مال قرار دیا ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم میں یہ روایت ہے کہ جنگ خیبر کے موقع پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب امیر علیہ السلام سے یہ فرمایا تھا کہ بعد قبول اسلام جنگ جائز نہیں ہے۔ اسی طرح بخاری و مسلم میں اسامہ سے روایت ہے کہ ایک جنگ میں ایک کلمہ گو کو میں نے مجروح کردیا تھا۔ تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اتنی نفرت کا اظہار

فرمایا کہ میں نے یہ سوچنا شروع کردیا کہ کاش میں آج کے بعد اسلام لاتا تو یہ دن دیکھنے میں نہ آتے۔ بخاری ہی نے ایک روایت میں خالد کے متعلق نقل کیا ہے کہ ایک جسور آدمی کے قتل کی اجازت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مانگی تو آپ نے نماز گزار کہہ کر روک دیا۔ انھیں دونوں کتابوں میں یہ بھی ہے کہ حضرت نے مقام منی میں نفس مسلم کو شہر حرام بلد حرام اور روز حرام کے مانند محترم قرار دیا ہے۔ غرض کتب احادیث میں احترام مسلم کی روایات بے شمار موجود ہیں جن کی صریحی مخالفت اس وقت کی گئی جب انکار ادائے زکوہ سے خلافت کی بنیادیں متزلزل نظر آنے لگیں۔ حالانکہ واضح ہے کہ ناگہانی خلافت اور فسادی حکومت میں تشکیک بلکہ اس کا انکار ہر مرد مسلم کا فطری حق تھا۔

موردیوم ۔سطاح وہ قیامت خیز دن جب حضرت ابوبکر کے جرنیل حضرت خالد نے مالک اور ان کی قوم پر حملہ کرکے آزادانہ طور پر قتل و غارت قید و بند فسق و فجور سے کام لیا تھا۔

مالک؟ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صحابی نویرہ کا فرزند بنی یربوع کی آبرو بنی تمیم کا تاج اور اسلامی زکوہ کا والی جسے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس عہدہ پر فائز کیا تھا۔

مالک کا جرم؟ مالک کا جرم صرف اتنا تھا کہ انھوں نے حضرت ابوبکر کے پاس مال زکوٰۃ بھیجنے سے انکار کردیا اور اس کا تاریخی راز یہ تھا کہ وفات رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد مدینہ میں ہنگامی حالت نے تمام عالم اسلام کو مدہوش و متحیر کردیا تھا۔ کہیں بنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اموال کو غصب کرکے ان کے پسلیاں توڑی جارہی ہیں۔ کہیں شاہد رسالت کی گواہی مشکوک بنائی جارہی ہے کہیں بیت رسالت کی توہین کی جارہی ہے اور ایسے حالات میں ایک ایسی خلافت تیار ہوتی ہے کہ جس میں ایک طرف فخر عرب بنی ہاشم اور ایک طرف انصار و مہاجرین ظاہر ہے کہ ایسے حالات طبعی طور پر انسان کو اقدام سے اس وقت تک روک دیتے ہیں جب تک

ALI CASSETTE LIBRARY
(BOOKS SECTION)
Baitul Sajjad, opp. Nishtar Park
Soldier Bazar, Karachi

کوئی قطعی فیصلہ نہ ہوجائے۔ لیکن افسوس کہ مالک کے لیئے تحقیق و تفتیش بھی جرم عظیم و باعث قتل و غارت بن گئی۔ ورنہ مالک کا قصد نہ جنگ کا تھا نہ جہاد کا وہ نماز کے منکر تھے نہ روزہ کے ہاں بنیادی طور پر خلافت حضرت ابوبکر کے منکر ضرور تھے۔

خالد اور .سطاح اسد و غطفان کے قتل و غارت سے فراغت کے بعد جب خالد نے .سطاح کا قصد کیا تو انصار نے روکا اور یہ کہ خلیفہ کی اجازت کے بغیر یہ اقدام کیسا؟ خالد نے جواب دیا کہ میں ولی امر ہوں تمھیں اعتراض کا حق نہیں ہے اور یہ کہہ کر روانہ ہوگیا۔ جب یہ لوگ وارد .سطاح ہوئے تو وہاں کوئی موجود نہ تھا۔ اس لیئے کہ مالک نے قوم کو اس خوف سے منتشر کردیا تھا کہ مبادہ حضرت ابوبکر ارادہ قتل و غارت کا الزام رکھ دیں۔ (الصدیق ابوبکر ہیکل ص ۱۴۴)

تلاش مالک خالد نے اپنے لشکر کو قوم کی تلاش میں روانہ کردیا۔ چنانچہ مالک کو مع افراد قوم کے گرفتار کیا گیا۔ رات بھر انھیں نگرانی میں رکھا گیا۔ ان لوگوں نے اپنے اسلحہ سنبھال لیئے۔ ابوقتادہ رئیس لشکر خالد نے اعتراض کیا انھوں نے جواب دیا کہ اگر ہم سے جہاد جائز ہے تو تم سے بھی جائز ہے تو تم سے بھی جائز ہوگا ہم دونوں ہی مسلمان ہیں۔ غرض دونوں نے اسلحے رکھ کر نماز ادا کی۔ نماز کے بعد لشکر سے اسلحے سنبھال لیے۔ اور اب خالد و مالک میں بات چیت شروع ہوگئی۔ مالک کے پہلو میں ان کی زوجہ بھی تھیں کہ جو "بقول استاد عقاد" اپنے وقت کی حسین ترین خاتون تھیں۔ مالک نے پوچھا کہ حضرت ابوبکر نے ہمارے قتل کا حکم دیا ہے؟ خالد نے کہا ہم بہر حال قتل کریں گے۔ مالک نے مطالبہ کیا کہ ہمیں دیگر مجرمین کی طرح حضرت ابوبکر کے پاس لے چلو۔ وہاں فیصلہ ہوجائے گا۔ حضرت عبداللہ بن عمر اور ابوقتادہ نے سفارش بھی کی لیکن حضرت خالد نے ایک نہ سنی اور قتل کا حکم دیدیا۔ اس وقت مالک نے اپنی زوجہ کے متعلق کہا کہ باعث قتل اس کا حسن و جمال ہے۔ خالد نے جواب دیا کہ باعث قتل کفر و ارتداد ہے۔ مالک نے کلمہ اسلام زبان پر جاری کیا اور جاں بحق تسلیم ہوگئے۔ خالد نے قوم کو گرفتار کرکے رات بھر سردی میں رکھا۔ اور اس کے بعد اپنی

قوم کو حکم دیا کہ گرم کرو۔ اس کلمہ کے معنی ان کی زبان میں قتل کے تھے۔ چنانچہ اس بہانہ سے پوری قوم مالک کا خون حلال کردیا گیا۔ مالک کی زوجہ سے اسی شب میں ——— بالجبر کیا گیا۔ یہ ہے قضیۂ مالک کی حقیقت جو محقق بصیر تاریخ کی ورق گردانی سے معلوم کرسکتا ہے۔

اس کے علاوہ باقی افسانے حکومت وقت کے خوشامدی اور نمک خوار افراد کے افکار کی پیداوار ہیں۔

ابو قتادہ و حضرت عمر کے حملات استاد ہیکل کا بیان ہے کہ اس حادثہ کو دیکھ کر ابو قتادہ اس قدر متاثر ہوئے کہ مالک کے بھائی کو لے کر مدینہ کی طرف یہ کہہ کر روانہ ہوگئے کہ ایسے شخص کے زیر علم رہنا ننگ و عار ہے۔ اور یہاں آکر حضرت ابوبکر سے شکایت کی۔ حضرت ابوبکر نے کوئی توجہ نہ کی تو حضرت عمر کے پاس گئے اور خالد کی بیحد مذمت کی۔ حضرت عمر متاثر ہوکہ حضرت ابوبکر کے پاس آئے۔ اور انھوں نے زور دیا کہ خالد سے مواخذہ کیا جائے۔ حضرت ابوبکر نے ٹال دیا۔ پھر اصرار کیا تو کہہ دیا۔ کہ وہ سیف اللہ ہے۔ پھر تاکید کی تو بلایا۔ خالد نے عمامہ میں تیر پیوست کرلے حضرت عمر نے نکال کر پھینک دیئے لیکن حضرت خالد نے ایسی باتیں بنائیں کہ حضرت ابوبکر نے خطائے اجتہادی قرار دے کر معاف کردیا۔ اور یہ کہا کہ مالک کی زوجہ سے تعلق قانون عرب میں مناسب نہ تھا۔

اقول قانون اسلام میں بھی بیوہ سے قبل عدہ عقد حرام ہے۔ اور اگر فرض کرلیا جائے کہ مالک کی زوجہ گرفتار کے حکم میں تھی تو کنیز کا استبراء (۱) بھی شرعاً واجب ہے۔ "استاد ہیکل" کا بیان ہے کہ حضرت عمر کے تاثرات اپنی حالت پر باقی رہے۔ یہاں تک کہ جب انھیں خلافت ملی تو پہلا کام یہ کیا کہ خالد کو معزول کردیا۔

---

(۱) اس مقام پر استبراء کے معنی یہ ہیں کہ کنیز کے ہاتھ آنے کے بعد انسان کا فریضہ ہے کہ ۴۵ دن تک اس سے مجامعت نہ کرے مگر یہ کہ پہلے یہ استبراء ہوچکا ہو یا کسی عورت سے خریدا ہو۔ (مترجم)

یا للعجب خلافت اولی ہی کے زمانہ میں اس طرح خونریزی آبرو ریزی اور توہین شریعت اسلامیہ ہو اور پھر ایسے فاسق و فاجر انسان سے کوئی مواخذہ بھی نہ ہو یہاں تک کہ خلیفہ دوم کو معزول کرنا پڑے۔ شاید یہ تاریخ انسانیت کا پہلا واقعہ ہے کہ جس میں کتاب و سنت کا باقاعدہ مذاق اڑایا گیا ہے۔

تاویل استاد ہیکل نے حضرت ابوبکر کے موقف کی وضاحت کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ زمانہ کے ناگفتہ بہ حالات اسی امر کے مقتضی تھے کہ اس اسلامی فاتح کی آزادیوں پر پابندی نہ لگائی جائے۔ اور اس کی صلاحیتوں کو محدود نہ بنایا جائے۔ اسلام پر چار طرف سے حملے ہو رہے تھے۔ اگر اس چہیتے جرنیل کو معزول کر دیا جاتا تو آج اسلام کا نام نہ ہوتا دوسری بات یہ ہے کہ ایک عورت سے خلاف قانون عرب تعلقات پیدا کر لینا کوئی اتنا اہم امر نہیں ہے کہ اس پر خالد جیسے افراد سے مواخذہ کیا جائے۔ اگر فرض کر لیا جائے کہ قوانین شرع پر عمل ہی ضروری ہے اور زنا کار پر سنگ ساری کرنا ہی فریضہ ہے تو ایسے افراد کی ذات عالی پر ایسے قوانین نافذ نہیں کیے جا سکتے اسلام پر ایسا وقت آگیا تھا کہ حضرت ابوبکر کو خالد کی تلوار کی بے حد ضرورت تھی۔ سطاح کے قریب ہی یمامہ تھا وہاں مسیلمہ نے ۴۰ ہزار افراد میں فتنہ نبوت برپا کر رکھا تھا۔ اب اگر اس فاتح اعظم کو مفرول کر دیا جائے تو اسلام کا کیا حشر ہو گا اور وہ بھی صرف ایک صحابی کے قتل کی بناء پر یا اس کی عورت سے زنا کی وجہ سے۔ بڑی عمیق فکر سے کام لیا حضرت ابوبکر نے اس وقت کہ جب مطالبہ معزولی کو نظر انداز کر کے خالد کو یمامہ کی فتح کے لیے روانہ کر دیا اور شاید یہ قیادت صرف اس لیے تھی کہ اہل مدینہ کو خالد کی عظمت کا اندازہ ہو جائے۔ اور یہ خیال کر لیں کہ خالد ایسے سخت مواقف کا انسان ہے اور دوسرا فائدہ یہ بھی ہو گا کہ اگر خالد قتل ہو گیا تو اس کے سابق جرم کی پاداش ہو جائے گی۔ اور اگر بچ گیا تو اسلام کا فاتح قرار پائے گا۔ لیکن حضرت عمر نے اس رائے سے اتفاق نہیں کیا ان کی نظر میں خون مسلم عرض مسلمان کی قیمت تھی وہ کتاب و سنت کو قابل عمل سمجھتے تھے اس لیے انھوں نے خالد کے

وجود کو گوارا نہ کیا۔ ایسا نہ ہو کہ فاتح اسلام زانی کے لقب سے مشہور ہو جائے۔ کسی کا سیف اللہ ہو جانا اس کے جرم کو سبک نہیں بنا سکتا۔ اور یہی وجہ ہے کہ انھوں نے زمانہ خلافت میں خالد کو نکال باہر کیا۔

اقول استاد کے بیان سے واضح ہو گیا کہ خلفاء کرام اپنے مصالح کو نصوص رسالت پر بے تحاشہ مقدم کر دیا کرتے تھے۔ اور یہی نظریہ آج بھی علماء ازہر کا ہے۔ جیسا کہ انھوں نے مجھ سے بالمشافہ ۱۳۲۹ء میں بیان کیا تھا جب میں وہاں وارد ہوا تھا اور ان لوگوں سے مشغول مناظرہ تھا۔

انصاف استاد عقاد نے خالد کے متعلق جملہ اقوال نقل کرنے کے بعد یہ فیصلہ کیا ہے کہ اگر تاریخ اسلام سے قضیہ ۔سطاح کو حذف کر دیا جائے تو شاید یہ امر خالد کے حق میں زیادہ مناسب ہو گا بہ نسبت اس جوانمردی اور شان فاتحانہ کے جس میں بلاوجہ شرعی مسلمانوں کا خون بہایا جائے اور مخدرات عصمت کی آبروریزی کی جائے۔

خاتمہ کلام آخر کلام میں ہم ان مورخین و علماء کا ذکر کرنا چاہتے ہیں جنھوں نے مالک کا ذکر کرتے ہوئے ان کی شرافت و بزرگی بلندی نفس اور عزم قوی کا تذکرہ کیا ہے۔ ان حضرات میں سے طبری جمہرہ النسب کامل الروہ و الفتوح موقیات اغانی الدلائل نزہتہ المناظر مختصر شرح النہج وغیرہ کے مصنفین ہیں۔

ابن خلکان نے دشمیہ کے حالات میں مالک کی شرافت و کرامت عظمت و بزرگی کا اعتراف کرتے ہوئے ان کی عظمت کو ضرب المثل قرار دیا ہے۔ انھیں اپنی قوم کا رئیس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا والئی صدقات تسلیم کیا ہے۔ اور اس کے بعد مالک اور خالد کی گفتگو کو تفصیلا بیان کیا ہے جس میں خالد نے مالک کے اسلام کی پرواہ کیے بغیر لیلی کے عشق میں مالک کے قتل کا حکم جاری کیا تھا۔ اسی ذیل میں حضرت عمر کے اعتراض اور حضرت ابوبکر کے عذر خطائے اجتہادی کا ذکر بھی موجود ہے۔

ابن حجر عسقلانی نے بھی مالک کی عظمت کا اعتراف کیا ہے۔ مرزبانی نے بھی ان

کی قومی بزرگی کا اعتراف کرتے ہوئے ان کی ولایت کا ذکر کیا ہے اور اس طرح مالک کے موقف کو واضح کیا ہے۔

مگر افسوس کہ اللہ کی برہنہ شمشیر نے نہ صحابیت کا خیال کیا اور نہ حدود الہیہ کا قتل کی حرمت کو قابل توجہ قرار دیا اور نہ زنا کی رذالت کو اور اس طرح خطائے اجتہادی کا گزر نصوص صریحہ تک ہو گیا۔ **انا للہ وانا الیہ راجعون**

مورد منع کتابت حدیث حاکم نے اپنی تاریخ میں اس حدیث کا ذکر کیا ہے کہ خود حضرت ابوبکر نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا جو میری حدیث لکھے گا اللہ اس کے لیے بقائے حدیث تک اجر لکھتا رہیگا لیکن افسوس کہ اس حدیث کے باوجود دور شیخین میں تالیف کا کام نظر نہیں آتا بلکہ حضرت ابوبکر نے ایک مرتبہ قصد کر کے چند احادیث کو جمع کیا اور پھر رات بھر کی فکر کے بعد انھیں نذر آتش کر دیا۔ (حاکم نیشا پوری کنزا لعمال ج ۵ حدیث ۴۸۴۵)

زہری نے عروہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر نے کتابت احادیث کا قصد کر کے اصحاب سے مشورہ کیا اور اس کے بعد ایک مہینہ فکر کر کے یہ نتیجہ نکالا کہ کام غلط ہے اس طرح کتاب خدا کی عظمت خاک میں مل جائیگی (کنزا لعمال)

ابودہب نے مالک سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر نے چند حدیثیں لکھیں اور پھر یہ کہہ دیا کہ کتاب خدا کے ساتھ دوسری کتاب ناجائز ہے (کنزا لعمال حدیث ۴۸۶۱)

بلکہ بقول یحیی تمام شہروں میں محو کرا دینے کا حکم جاری کرا دیا (جامع ابن عبدالبر) قاسم بن محمد کا بیان ہے کہ حضرت عمر نے اپنے عہد میں تمام احادیث کو جمع کر کے نذر آتش کر دیا (طبقات ۵ ص ۱۴۰)

ابن ابی الحدید وغیرہ نے یہاں تک نقل کیا ہے کہ ایک شخص حضرت عمر کے پاس کچھ کتابیں لایا اور اس نے کہا کہ یہ علوم فتح مدائن سے حاصل ہوئے ہیں انھوں نے ان کتابوں پر اتنے درے لگائے کہ پارہ پارہ ہو گئیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اصحاب سیر کا اتفاق ہے کہ حضرت عمر نے کتاب احادیث سے شدت کے ساتھ روک دیا تا کہ یہ لوگ احادیث نشر نہ کر سکیں۔ (کنز العمال ج ۵)

کاش خلفاء وقت نے اس قدر دور اندیشی سے کام نہ لیا ہوتا۔ اور اگر خود کم استعداد تھے تو خاندان رسالت ہی کو اتنا موقع دیا ہوتا کہ وہ علوم رسالت کو ایک مفصل کتاب کی شکل میں جمع کر کے امت کے سامنے پیش کرتے اور اس طرح امت اسلامیہ قرآن کے دقیق مطالب اور مشکل مسائل حل کر سکتی اور آج دنیائے اسلام میں یہ ابتری نہ ہوتی۔

پھر اگر اسی عہد میں یہ تمام حدیثیں ایک مقام پر جمع ہو جائیں تو کذابین اور وضاعین کو اتنا موقع نہ مل سکتا کہ وہ روایات وضع کر کے ان میں بانی اسلام کی طرف منسوب کر سکیں۔ مگر افسوس کہ خلفاء کی شدت احتیاط سے اسلام کو اس خسارہ سے بھی دوچار ہونا پڑا۔

آہ! کچھ ایسے اغراض سد راہ ہو رہے تھے کہ جن کا ذکر اس مقام پر مناسب نہیں ہے ان حضرات کا ذوق تو اسی دن معلوم ہو گیا تھا جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود کچھ لکھنے کی فکر میں تھے لیکن اغراض و خواہشات نے آنے والی نسلوں کا بیڑا غرق کر کے رکھ دیا۔ **انا للہ و انا الیہ راجعون**۔

یہ یاد رہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے فریضہ سے غافل نہ تھے آپ نے اپنی تمام روایتوں کو حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کے پاس بعنوان کتاب محفوظ کر دیا تھا لیکن اس وصیت کے ساتھ کہ ناگزیر حالات کی بنا پر ان کا اظہار اس وقت تک نہ ہو جب تک عالمی حالات روبہ اصلاح نہ ہو جائیں۔

مورد شفاعت مشرکین احمد بن حنبل نے اپنی مسند (ص ۱۵۵) میں اس واقعہ کو درج کیا ہے کہ ایک مرتبہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس چند مشرکین آئے۔ اور کہنے لگے کہ بعض لوگوں نے آپ کے دین کو قبول کر لیا ہے۔ حالانکہ

انھیں دین و دیانت سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ وہ صرف ہمارے قبضہ و اختیار سے نکلنے کی فکر میں ہیں لہٰذا آپ انھیں واپس کر دیجیے۔ حضرت نے حضرت ابوبکر کی طرف اشارہ کیا کہ ان لوگوں کو سمجھا دو۔۔حضرت ابوبکر نے حضرت سے کہہ دیا کہ یہ لوگ حق پر ہیں آپ واپس کر دیجئے آپ نے غصہ میں آکر حضرت عمر کی طرف رجوع کیا۔ حضرت عمر نے مزید سفارش کر دی تو آپ کا رنگ غیظ و غضب سے متغیر ہو گیا۔ بلکہ بقول نسائی آپ نے فرمایا اے گروہ قریش عنقریب وہ شخص تم پر مسلط ہو گا کہ جس کے قلب کی آزمائش ایمان کے لیے ہو چکی ہو گی۔ وہ تمھیں دین کے بارے میں مار مار کر درست کرے گا۔ یہ سنکر حضرت ابوبکر تڑپ اٹھے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ میں ہوں؟ آپ نے فرمایا نہیں حضرت عمر بول اٹھے تو حقیر ہو گا فرمایا ہرگز نہیں بلکہ وہ شخص ہے کہ جو اس وقت میری جوتیوں کی مرمت کر رہا ہے۔ علی "خاصف النعل"۔

تاویلات

حضرت عمر

مورد حادثہ یوم خمیس

یہ وہ قیامت خیز حادثہ تھا کہ جو وفات پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے چند روز قبل ۱۱ھ میں پیش آیا۔ (امام بخاری نے اس واقعہ کو یوں نقل کیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مرض الموت میں اصحاب سے تقاضا کیا کہ قلم و دوات لاو تاکہ میں ایک ایسی تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم گمراہ نہ ہو سکو۔

حضرت عمر نے جواب دیا کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مرض کا غلبہ ہے اس تحریر کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اصحاب میں بعض نے موافقت کی اور بعض نے مخالفت۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت نے سب کو گھر سے نکال دیا یہی حدیث مسلم اور احمد نے بھی نقل کی ہے لیکن ظاہر یہ ہے کہ اس روایت میں حضرت عمر کے صحیح الفاظ نقل نہیں کیے گئے۔ بلکہ بلحاظ ادب ان کی معنوی ترجمانی کی گئی ہے ورنہ حضرت عمر کے الفاظ میں ہذیان بھی داخل تھا اور اس کا شاہد یہ ہے کہ جوہری نے کتاب سقیفہ میں یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمر نے ایک ایسا کلمہ کہا کہ جس کے معنی غلبہ مرض کے تھے اور اسی طرح بخاری و مسند احمد وغیرہ میں جب صحیح لفظ کا ذکر ہوا ہے تو حضرت عمر کا نام حذف کر کے لوگوں کی طرف قول کی نسبت دی گئی ہے بہرحال روایت کے الفاظ یہ بتاتے ہیں کہ ایک جماعت حضرت عمر کی ہم آواز تھی تو اگر یہ قول اس جماعت کا ہے تو بھی عمر اس قول میں مقدم ہے۔ ابن عباس اس حادثہ پر مدتوں رویا کیے۔ ہر صاحب عمل اندازہ لگا سکتا ہے کہ اس اہم موقعہ پر اصحاب نے نص رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کیونکہ مخالفت کی اور کس طرح اپنے ذاتی

مصالح کو پیش نظر رکھ کر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہذیان والا قرار دے دیا۔ حالانکہ قرآن پکار پکار کر کہہ رہا ہے۔ **ما اتاکم الرسول فخذوہ** رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اتباع فرض ہے۔ یہ مجنون ساحر کاہن وغیرہ نہیں ہے۔ لیکن افسوس ..... باوجودیکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عصمت پر عقلی دلائل قائم تھے۔ حضرت عمر نے اپنی سیاست کے ماتحت تمام تعلیمات کو نظرانداز کر دیا۔ اس سیاست کا نتیجہ شاید وہ کلام ہے جو انھوں نے ابن عباس سے کہا تھا اور جسے ابن ابی الحدید نے بھی نقل کیا ہے۔

یہ بات ادنی تامل ہے واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت نے اپنی تحریر کے وہی اوصاف بیان فرمائے ہیں جو حدیث ثقلین میں بیان فرما چکے تھے۔ لہٰذا حتما یہ کہا جا سکتا ہے کہ آخری وقت میں بھی اسی حدیث کی تفسیر فرمانا چاہتے تھے۔ چنانچہ اسی نکتہ پر نظر کر کے حضرت عمر نے مقابلہ کیا۔ یہاں تک صاحب خلق عظیم کو نکال دینا پڑا۔ سوال یہ ہے کہ قوم کے ان ہذیانات پر آپ نے اپنی تحریر کو کیوں چھپا لیا؟ لیکن اس کا جواب بالکل واضح ہے اس لیے کہ اولا تو اس تحریر کا پیش کرنا اس فتنہ کو ابھارنا تھا جس کا اندازہ صرف اعلان سے کر لیا گیا تھا۔ ثانیا یہ کہ اس تحریر سے دو جماعتیں قائم ہو جائیں۔ ایک اسے نتیجہ ہذیان قرار دیتی اور ایک اس پر بلا چون و چرا ایمان لاتی۔ ظاہر ہے کہ اب یہ تحریر دونوں کے لیے بیکار ہے۔ اتمام حجت ہو ہی چکا ہے۔ پہلی جماعت بھی اپنے نظریہ پر اٹل ہے اور دوسری جماعت بھی غائبانہ ایمان لائے ہوئے ہے اور مفاد حدیث ثقلین سے متمسک ہے۔

معاذیر شیخ ازہر شیخ سلیم نے مجھ سے گفتگو کے دوران اس سخت حادثہ کے معاذیر کا ذکر کرتے ہوئے ان کا جواب دیا تھا اور پھر اپنا عذر پیش کیا تھا ظاہر اس تفصیل کا نقل کرنا خالی از لطف نہ ہو گا۔ وہ فرماتے ہیں کہ بعض علماء نے یہ عذر کیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قصد واقعاً تحریر کا نہ تھا بلکہ آپ اصحاب کا امتحان کرنا چاہتے تھے۔ حضرت عمر چونکہ اس نکتہ سے واقف تھے۔ اس لیے انھوں

نے منع کر دیا اور یہ ان کی الہامی صلاحیت کی واضح دلیل ہے لیکن ظاہر ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول "تم ہرگز گمراہ نہ ہو گے" امتحان پر حمل نہیں ہو سکتا۔ ورنہ کذب صریح کا ارتکاب لازم آئے گا پھر فرماتے ہیں بعض حضرات نے یہ عذر کیا ہے کہ یہ حکم واجبی نہ تھا۔ بلکہ اصحاب سے ایک مشورہ تھا۔ حضرت عمر نے یہ سوچ کر روک دیا کہ لکھنے میں آپ کو زحمت ہو گی اور یہ عالم مرض الموت کا ہے یا یہ خیال کیا ہو کہ ممکن ہے کہ عالم مرض میں ایسی باتیں لکھ دیں کہ امت ان پر عمل نہ کر سکے اور اس طرح جہنم کی مستحق ہو جائے۔ پھر منافقین اس تحریر کو دیکھ کر قرآن کریم کی جامعیت میں بھی اشکال کریں گے۔ لیکن ظاہر ہے کہ عدم گمراہی کا ذکر ان تمام معاذیر کو باطن کر دیتا ہے پھر قومواعنی کہنا یہ بتاتا ہے کہ یہ رائے اصحاب رسول کی نظریں نہایت درجہ مذموم تھی۔ اگر کوئی یہ کہے کہ فعل واجب کسی کی مخالفت سے ترک نہیں کیا جا سکتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیوں ترک کر دیا تو اس کا جواب واضع ہے کہ قلم و دوات کا لانا اصحاب پر فرض تھا نہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حضرت کا فریضہ تو اس فریضہ کی ادائیگی پر موقوف تھا جب اصحاب نے انکار کر دیا تو آپ کا فریضہ بھی ساقط ہو گیا اور حجت تمام ہو گئی۔ اب تحریر کا اثر غیر از فتنہ نہیں ہو سکتا۔ پھر فرماتے ہیں "بعض لوگوں نے یہ عذر کیا کہ اس میں ہر شخص کو گمراہی سے بچانے کی ضمانت ہو گی بلکہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ تمام امت گمراہ نہ ہو گی اور ظاہر ہے کہ قرآن کے ہوتے ہوئے یہ بات غیر معقول تھی اسی لیے انھوں نے عدم حاجت کا اعلان کر دیا گویا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد کمال احتیاط اور شدت لطف و کرم کی بنا پر تھا لیکن ظاہر ہے کہ **لن تضلوا** کے ہوتے ہوئے یہ عذر انتہائی مہمل ہے۔ اس کلام کا ظاہر ہی یہ ہے کہ ہر ہر فرد کی ہدایت کی ضمانت ہے اور پھر **قومو اعنی** تمام معاذیر کو باطل کرنے کے لیے موجود ہے ان تمام اشکالات کے پیش نظر ہماری نظر میں بہترین عذر یہ ہے کہ اس ایک واقعہ میں اصحاب سے غلطی ہو گئی ہے اور ظاہر ہے کہ انسان سے غلطی ہوتی رہتی ہے۔ اب اس غلطی کی وجہ صحت

کیا ہے؟ اس کا علم صرف اللہ کے لیے ہے۔ ہمیں زیادہ بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

شیخ ازہر کے پورے کلام سے ناظرین نے اندازہ لگالیا ہوگا کہ موصوف کس قدر سلیم الطبع اور منصف مزاج واقع ہوئے تھے۔ خدا ان پر رحمت نازل کرے۔ انھوں نے تاریخی حقائق کو پوشیدہ کرنے کی فکر نہیں کی بلکہ صحاب کے معاذیر پر آزادانہ تبصرہ فرمایا۔ لیکن ہم اب اپنے اعتراضات پیش کررہے ہیں جو ہم نے موصوف کے سامنے پیش کیے تھے۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت صلعم کا مقصود امتحان تھا! آپ کے جواب کے علاوہ ہمیں یہ کہنا ہے کہ وقت آخر وصیت و تبلیغ کا وقت ہوتا ہے نہ کہ امتحان و مزاح کا۔ اگر حضرت صلعم کی پوری مدت حیات امتحان کی لیے کافی نہ ہوئی تو حالت مرض الموت کا زمانہ کس طرح کافی ہوگا؟ پھر یہ کہ اگر واقعتاً امتحان ہوتا تو **قوموا عنی** سے خطاب نہ ہوتا۔ امتحان میں کامیاب ہونے پر **قوموا عنی** کی سند نہیں ملتی۔ ممتحن کو ہذیان گو نہیں کہا جاتا اور صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تاعمر گریہ نہیں کرتا۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت کا مقصود مشورہ تھا۔ اور حضرت عمر اپنی نظر مین زیادہ صائب الرائے تھے۔ سوال یہ ہے کہ کیا رسالت انھیں کی طرف منتقل ہوگئی تھی؟ یا مرکز وحی سے غلطی کی امکانات پیدا ہوگئے تھے؟

کہا جاتا ہے کہ حضرت عمر نے حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کتابت کی زحمت سے بچالیا۔ سوال یہ ہے کہ اگر اس میں آپ صلعم کو کوئی زحمت تھی تو ارادہ ہی کیوں فرمایا تھا؟ پھر آپ کے ارادہ کے مقابلے میں حضرت عمر کے ارادہ کی کیا قیمت ہے؟ جبکہ قرآن نے عمومی ممانعت کردی ہے۔ پھر کیا ہذیان و نعم کے الفاظ سے آپ کی زحمتوں میں تخفیف ہوگی یا درد دل میں اور بھی اضافہ ہوگیا؟

کہا جاتا ہے کہ حصرت عمر کی نظر میں قلم دوات نہ دینا ہی اولی تھا۔ پھر یہ اندیشہ تھا کہ کوئی ناممکن حکم نہ تحریر کردیں۔ مزید یہ کہ منافقین کے اعتراض کا بھی خیال تھا۔

سوال یہ ہے کیا حضرت عمر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت زیادہ صائب الرائے تھے؟ کیا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناممکن امر کا حکم دے سکتے تھے؟ کیا امت پر آپ کی مہربانیاں زائل ہوگئی تھیں؟ کیا **لا تضلوا** میں منافقین کے فتنوں سے بچنے کی ضمانت نہ تھی؟ اور اگر منافقین ہی کا خطرہ تھا تو ایسا سوال ہی کیوں اٹھایا؟ جس پر غیر منافق حضرات کو ہذیان کہنا پڑا۔

کہا جاتا ہے کہ حسبنا کتاب اللہ کی ضرورت ان آیات کے پیش نظر پڑی جن مین کتاب کی جامعیت کا ذکر ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہ غلط ہے اس لے کہ کتاب میں ہدایت کا ذکر ہے ضلالت سے حفاظت کی ضمانت نہیں ہے۔ اور آج کی تحریر میں یہ ضمانت بھی تھی۔ لہٰذا کتاب کے بعد بھی اسکی ضرورت تھی بلکہ اگر یہ تحریر سامنے آگئی ہوتی تو اصحاب کو ہذیان گو کہنے کی نوبت نہ آتی۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت عمر نے اس کلام سے یہ استفادہ نہیں کیا تھا کہ اس میں ہر ہر فرد کی ہدایت کی ضمانت ہے۔ سوال یہ ہے کہ حضرت عمر اس قدر کمزور دماغ کے آدمی نہ تھے کہ ان کی سمجھ میں وہ بات بھی نہ آئے جو ایک بدو عرب سمجھ سکتا ہے۔ پھر **لاتجتمع امتی علی ضلال** وغیرہ جیسی احادیث کے باوجود حضرت عمر نے یہ احتمام ہی کیسے دیا کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام امت کی گمراہی کا احتمال دے کر اسے دفع کرنا چاہا ہے۔ پھر اگر سو فہم ہی کی بات ہوتی تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ بتا دیتے کہ مفہوم وہ نہیں ہے جو تم لوگوں نے خیال کیا ہے۔ ایسے آدمی کو نکال دینا تو مناسب نہ تھا۔ ابن عباس کا گریہ بے وجہ تو نہ تھا بلکہ انصاف یہ ہے کہ بقول شمایہ ایک اتفاقی واقعہ تھا۔ اگرچہ اسی ایک واقعہ نے اسلام کو تباہ کردیا اور مسلمانوں میں دائمی افتراق پیدا کردیا۔ اور بقول شیعہ یہ صحابہ کرام کا اجتہاد تھا جو نص رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابلہ میں پیش کیا گیا اور اس میں ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے ایک مسئلہ ہے۔ ایک طرف اللہ کی رائے ہے اور ایک طرف حضرت عمر کی۔

پسندیدگی   ہمارے ان بیانات کو سن کر شیخ ازہر نے استحسان کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ نے تمام اہل عذر کے عذر کو بالکل باطل کردیا ہے اور ان کے مذاہب کو "هباء ا" "منثورا" بنادیا ہے۔ اب کسی شخص کو نہ عذر و معذرت کا حق ہے اور نہ حقائق میں تشکیک و تاویل کا۔

HAJAT ... LIBRARY
(BOO...)
Baitul Salam ... Park
Soldier Bazar, Karachi

مورد صلح حدیبیہ رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض مصالح اسلامیہ کی بنا پر روز حدیبیہ صلح کو جنگ پر ترجیح دی اور اس طرح بعض مسلمانوں کو اپنی لاعلمی اور جہالت کی بنا پر موقع مل گیا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اعتراض کریں لیکن حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے اقوال کی طرف توجہ کئے بغیر اپنے عمل کو انجام دیا اور اسلام کو فتح مبین سے آشنا بنادیا۔

تفصیل واقعہ ذی قعدہ سنہ ۶ ہجری میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوشنبہ کے دن بعقد عمرہ مدینہ روانہ ہوئے چونکہ آپ کے دل میں یہ خیال تھا کہ کفار مزاحمت کریں گے اس لیئے آپ صلعم نے اصحاب کو بھی ساتھ چلنے کا حکم دے دیا۔ چنانچہ تقریبا ۱۴۰۰ افراد پر مشتمل ایک قافلہ روانہ ہوا۔ جس میں ۷۰ اونٹ تھے۔ مقام ذوالحلیفہ پر پہنچنے کے بعد آپ نے عمل تقلید(۱) کے ذریعہ احرام باندھ لیا تاکہ کفار یہ تصور نہ کریں کہ کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی حرب و ضرب کے ارادے سے آرہے ہیں۔ جب کچھ راستہ طے ہوگیا تو آپ کو اطلاع ملی کہ خالد بن ولید ایک لشکر لیئے آمادہ جنگ ہے جس میں ۲۰۰ سوار بھی ہیں اور ان کا لیڈر عکرمہ بن ابی جہل ہے۔ آپ صلعم نے اصحاب کو حکم دیا کہ راستہ بدل دیں تاکہ مزاحمت نہ ہونے پائے۔ لیکن یہ دیکھ کر خالد خود آگے بڑھ آیا۔ تو پھر آپ نے بھی عبادہ بن بشر کو لشکر دے کر آگے بڑھایا اتفاقا اسی اثناء میں نماز ظہر کا وقت آگیا۔ آپ نے اصحاب کے ساتھ نماز ادا فرمائی۔ خالد کی قوم نے اس سے کہ نماز کے درمیان ان کو ختم کردینے کا سنہرا موقع ہاتھ سے نکل گیا۔ یہ بہت ہی برا ہوا۔ اس نے کہا کہ ابھی ان کی ایک نماز باقی ہے۔ جو ان کی نظر میں زیادہ محبوب ہے۔ اس وقت ہم ان کی عبادت سے فائدہ اٹھائیں گے۔

---

(۱) حج کی بعض قسموں میں یہ عمل بھی ہوتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان ان جوتیوں کا کہ جن میں نماز ادا کرچکا ہے قلادہ اور ہار بنا کر اونٹ کی گردن میں لٹکا دے اور پھر اسے لیکر حج کے لیے روانہ ہو۔ (مترجم)

ادھر خالق حکیم نے وحی نازل فرمائی کہ جب ایسا موقع ہو تو مسلمان دو حصوں میں تقسیم ہوجائیں۔ ایک جماعت نماز پڑھے اور جب وہ رخصت ہوجائے تو دوسری جمات آکر شریک ہوجائے۔ سب مسلح و ہشیار رہیں۔ ایسا نہ ہو کہ دشمن موقع پاکر حملہ آور ہوجائے۔ چنانچہ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی قانون کی بنا پر نماز عصر بطور صلوٰۃ خوف ادا فرمائی۔

قریش کی شدت اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حکمت

حدیبیہ پہنچ کر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش کی طرف سے کافی مصائب و شدائد کا سامنا کیا۔ اور مشرکین نے بھی آپ کے اصحاب کے ہاتھوں کافی تکالیف برداشت کیں۔ لیکن ان تمام باتوں کے باجود آپ نے اپنے خلق عظیم اور کرم عام کی بنا پر ان سے ایسی نرم گفتگو کی کہ ان کے آہنی قلوب بھی موم ہوگئے۔ آپ کے چند کلمات یہ تھے۔ "آخر قریش کو کیا ہوگیا ہے کہ جنگ کے اتنے مصائب برداشت کرنے کے باوجود بھی اس امر پر تیار نہیں کہ عرب کو میرے حوالے کردیں۔ اور اس طرح اگر انھوں نے مجھے مغلوب کرلیا تو ان کا مقصد حاصل ہوجائے گا۔ اور اگر میں نے ان پر غلبہ پالیا تو وہ سب مسلمان ہو جائیں گے۔ آخر یہ قریش اپنے کو کیا خیال کرتے ہیں۔ خدائے وحد لاشریک کی قسم میں ان سے اس وقت تک مقابلہ کرتا رہوں گا جب تک کہ دین غالب نہ ہوجائے یا میری گردن جدا نہ ہوجائے۔" اس کے بعد آپ نے قریش کی طبعیت کے مطابق انداز کلام کو بدل کر انھیں طمع دلاتے ہوئے فرمایا۔ "اگر قریش مجھ سے صلہ رحم کے طالب ہوں گے تو میں ان کے کسی بھی مطالبہ سے انکار نہ کروں گا"۔ اس خطاب کے بعد آپ نے اصحاب سے مشورہ کیا تو اکثریت نے جنگ پر آمادگی ظاہر کی۔ یہاں تک کہ جناب مقداد نے قوم کی ترجمانی کرتے ہوئے عرض کی یا رسول اللہ صلی علیہ وآلہ وسلم ہم قوم موسی نہیں ہیں جو کہہ دیں کہ آپ لڑیں ہم آرام سے تماشہ دیکھیں گے بلکہ ہم تو یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اگر آپ برک الغماء (آخری قلعہ عرب) کو بھی فتح کرنا چاہیں تو ہم آپ کا ساتھ نہ

چھوڑیں گے اور آپ کے پسینے پر اپنا خون بہا دیں گے"۔ یہ سنکر آپ کی چہرے پر تبسم کی لہریں دوڑنے لگیں۔ اس کے بعد آپنے مسلمانوں سے موت کے لیئے بیعت لی۔ اور سب ہی نے علاوہ الجد بن قیس کے بیعت کرلی۔ اگرچہ ان میں ابن سلول جیسے منافقین بھی تھے۔

مطالبۂ صلح جب قریش کو اس بیعت کا علم ہوا تو فطری طور پر ان کے قلوب پر رعب چھا گیا۔ اور اس پر مزید یہ کہ عکرمہ کا ۵۰۰ کا لشکر بھی اس طرح پسپا ہوا کہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں ان کے گھروں تک بھگادیا۔ ان ناکام حالات کو دیکھتے ہوئے اہل حل و عقد نے یہ رائے پیش کی کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صلح کرلی جائے۔ حضرت نے اس صلح کا نہایت ہی خندہ پیشانی سے استقبال کیا جبکہ اس کا پیغام لے کر سہیل بن عمرو آپ کے پاس آیا۔ اگرچہ یہ بات مسلمانوں کو ناگوار گزری اور بعض لوگوں نے زیادتی سے بھی کام لیا۔ لیکن آپ مصلحت شناس اور تابع وحی الٰہی تھے۔ پھر جب کہ آپ کفار سے وعدہ بھی کرچکے تھے تو اسکی مخالفت کا شرعی عقلی یا اخلاقی اختیار آپ کو حاصل نہ تھا۔

انکار حضرت عمر ادھر صلحنامہ کی تکمیل ہوئی اور ادھر حضرت عمر کی رگ غیرت و حمیت پھڑکنے لگی تو تڑپ کر حضرت ابوبکر کے پاس آئے اور ان سے سوال کیا کہ کیا یہ خدا کے رسول صلعم نہیں ہیں؟ انھوں نے فرمایا ہیں! سوال کیا تو کیا ہم مسلمان نہیں ہیں؟ جواب دیا ہیں! پھر پوچھا تو کیا یہ سب مشرکین نہیں ہیں؟ جواب دیا ہیں۔ یہ سننا تھا کہ تڑپ کر بولے پھر ہم ان سے کیوں دب رہے ہیں اور یہ صلح کیوں ہورہی ہے؟ یہ سنکر آپ نے انھیں سمجھایا کہ وہ حکم خدا کے تابع ہیں وہ تمھاری باتوں پر کوئی توجہ نہ کریں گے۔

صحیح مسلم میں یہ روایت یوں نقل ہوئی ہے کہ پہلے آپ خود رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے۔ اور ان سے سوال کیا کہ کیا ہم اہل حق اور یہ اہل باطل نہیں ہیں؟ کیا ہمارے مقتول جنتی اور ان کے کشتگان جہنمی نہیں ہیں؟ حضرت صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب کی تائید کی تو اکڑ کر بولے پھر کیوں صلح کریں اور کیوں ان سے مرعوب ہوں۔ حضرت صلعم نے حکم الٰہی سے مجبوری کا اظہار کیا لیکن غصہ فرو نہیں ہوا تو حضرت ابوبکر کے پاس آکر یہی گفتگو شروع کردی۔ آخر کار انھوں نے بھی یہ سمجھایا تو خاموش ہوگئے۔ دیگر کتب میں یہ مکالمہ اور بھی سخت لہجہ میں پایا جاتا ہے۔ چنانچہ بخاری میں حضرت عمر کی زبانی ہے کہ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جواب پر پھر یہ اعتراض کیا کہ آپ نے تو وعدہ کیا تھا کہ ہم طواف کریں گے۔ پھر اب اپنی بات سے پلٹنا کیسا؟ تو آپ صلعم نے فرمایا کہ میں نے امسال کا وعدہ نہیں کیا ہے۔ یہ سنکر مجھے اور بھی حیرت ہوئی اور میں حضرت ابوبکر کے پاس آیا ان سے گفتگو کی تو انھوں نے بھی یہی جواب دیا۔

روایت کہتی ہے کہ اس کے بعد آپ نے اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ سر تر شوا لیں اور اونٹوں کو نحر کردیں لیکن کسی نے کوئی التفات نہ کیا۔ آپ نے تین مرتبہ حکم دیا اور جب قوم کی بے رخی دیکھی تو خیمہ کے اندر تشریف لے گئے۔ اور پھر اپنے دست مبارک سے اونٹ کو نحر کیا۔ اور حجام کو بلا کر سر تر شوا لیا۔ یہ دیکھ کر اصحاب بھی اس عمل پر مجبور ہوگئے۔

اس حدیث کو احمد نے اپنی سند میں سعد بن مخزمہ سے نقل کیا ہے۔ حلبی نے سیرت میں نقل کیا ہے۔ کہ حضرت عمر نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس قدر تکرار کی کہ ابوعبیدہ کو ٹوکنے کی نوبت آگئی۔ خود حضرت نے بھی فرمایا کہ میری رضامندی کے بعد تمھارا انکار کیسا؟ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت عمر تاحیات صوم و صلوٰۃ عتق و صدقات جیسے اعمال انجام دیتے رہے تاکہ ان کی گفتگو کا کفارہ ہوسکے۔

تکمیل صلح صحابہ کرام کے روکنے اور ٹوکنے کے باوجود پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صلح پر آمادگی ظاہر کرتے ہوئے امیرالمومنین کو حکم دیا کہ صلحنامہ تحریر کریں جس کا عنوان یہ ہو۔ **بسم اللہ الرحمن الرحیم** آپ نے لکھنے کا قصد کیا تھا کہ سہیل بول پڑا۔ ہم اس طریقہ تحریر سے آشنا نہیں ہیں۔ لہٰذا باسمک اللھم لکھ

جائے۔ آپ نے اسے قبول کرتے ہوئے فرمایا کہ لکھا جائے۔ کہ یہ محمد رسول اللہ کا صلحنامہ ہے۔ سہیل نے تڑپ کر کہا کہ اگر ہم رسالتؐ کے قائل ہوتے تو جھگڑا ہی نہ ہوتا لہٰذا محمد ابن عبداللہ لکھا جائے بعض مسلمانوں کے جذبات مشتعل ہوگئے۔ لیکن آپ نے تحریر کو یہ کہہ کر مٹا دیا کہ تمھارے انکار سے رسالت پر کوئی حرف نہیں آتا۔ امیرالمومنینؑ نے یہ تحریر بڑے ہی صابرانہ انداز میں تمام کی۔ اس وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایہ یا علیؑ! تمھیں بھی ایسی ہی بلا میں مبتلا ہونا ہے۔

صلح کے شرائط یہ تھے:۔ کہ اس سال رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مع اصحاب کے واپس جائیں اور اگلے سال آئیں۔ اس وقت قریش تین دن کے لیئے مکہ کو خالی کردیں گے۔

دس سال کے لیئے جنگ موقوف کردی جائے۔ جو جس دین کو اختیار کرنا چاہے اسے آزاد رکھا جائے۔ عداوتوں کا ظہور نہ ہو باہمی خیانت پر پابندی لگائی جائے۔

اگر کوئی دین قریش سے نکل کر ذمہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آجائے تو اسے واپس کردیا جائے۔ اور اگر کوئی دین رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مرتد ہوکر قریش کے پاس چلا جائے تو اس کی واپسی نہ ہو۔

یہ وہ شرط تھی جس پر مسلمانوں سے تحمل نہ ہوسکا اور ایک ہنگامہ برپا ہوگیا لیکن خلق مجسم اور حلم مکمل رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ جو دین سے مرتد ہوگیا اسے رحمت الٰہی سے قرب میسر نہیں ہوسکتا۔ اور جو کفر سے علیحدہ ہوگیا ہے اس کی فلاح و نجات کے لیے اللہ کوئی نہ کوئی انتظام ضرور کردے گا۔

ابھی صلحنامہ مکمل نہ ہوسکا تھا کہ سہیل کا بیٹا ابوجندل زنجیروں میں جکڑا ہوا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے آکھڑا ہوا۔ ابوجندل نے چونکہ اسلام قبول کرلیا تھا۔ اس لیئے سہیل نے اسے مار پیٹ کر مقید کر رکھا تھا۔ جب اسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کی اطلاع ملی تو کسی صورت سے حبس سے نکل

کر آپ صلعم کی خدمت میں پہنچ گیا مسلمان بہت خوش ہوئے لیکن سہیل نے کہا کہ یہ ہمارے معاہدہ کے خلاف ہے اور یہ کہہ بیٹے کو مارنا شروع کردیا۔ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ابھی تو صلح کی تکمیل نہیں ہوئی ہے۔ اس نے جواب دیا کہ پھر ہم صلح پر تیار نہیں ہیں۔ حضرت نے اس کے لے پناہ مانگی سہیل نے اس سے بھی انکار کردیا۔ لیکن اس کے باوجود آپ نے صلح کرلی۔ آخر میں مکرو و حویقب نے مل کر اس کو پناہ دی اور حضرت ابوجندل کو صبر کی تلقین فرمائی۔

یہی وہ موقع تھا کہ جب حضرت عمر نے اپنی دینی غیرت کا مظاہرہ کیا اور ابوجندل کے سامنے تلوار پیش کی کہ اپنے باپ کو قتل کردے۔ اور پھر باپ کے قتل کی داستانیں سنا سنا کر اسے کافی ترغیب بھی دلائی لیکن اس نے حکم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا احترام کرتے ہوئے انکار کردیا۔ اور یہ کہا کہ اگر اتنی ہی ہمدردی ہے تو آپ قتل کردیں۔ انھوں نے جواب دیا کہ ہمیں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع کیا ہے۔ ابوجندل نے بے ساختہ کہا۔ خود رافضیحت و دیگراں رانصیحت۔ غرض ابوجندل اپنے باپ کے ساتھ مکہ واپس ہوا۔ اور مکرز و حویقب کی پناہ میں رہا۔ یہاں تک کہ اللہ نے کمزور مسلمانوں کے کشائش احوال کے اسباب مہیا کردیئے اور مسلمانوں کو فتح مبین نصیب ہوئی۔

فوائد صلح صلح کے فوائد و منافع میں یہ بات کچھ کم نہیں ہے کہ اس طرح مسلمانوں کو مشرکین کے ساتھ اختلاط کا موقع مل گیا۔ جس کا فطری نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ جب مشرکین مدینہ آتے تو انھیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاقیات قرآن کے آیات بینات اور دین مبین کے تعلیمات کا علم ہوتا اور اس طرح ان کے دلوں میں اسلام کی محبت رفتہ رفتہ جاگزین ہونے لگتی۔ اس طرح جب مسلمان اپنے اعزہ و اقرباء کے پاس مکہ جائے تو ان سے ان اخلاقیات اجتماعیات اور اقتصادیات کا تذکرہ کرتے جن میں وہ خود زندگی بسر کررہے تھے اور اس طرح کفار کے عناد میں کمی اور ان کے قلوب میں نرمی پیدا ہوتی۔

اس کے علاوہ حدیبیہ میں کفار کا پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ساتھ اجتماع ایک اہم فائدہ کی غمازی کررہا ہے۔ اس لیئے بدر و احد کی لڑائی کے بعد اہل مکہ کے قلوب و اذہان میں یہ بات راسخ ہوگئی تھی کہ (معاذ اللہ) مسلمانوں کا رسول صلی اللہ لیہ وآلہ وسلم ایک سفاک اور مفسد انسان ہے۔ ابوجہل و ابوسفیان وغیرہ نے ان کے دماغوں میں ایسے گزرے خیالات بری طرح اتار دیئے تھے۔ قدرت نے یہ چاہا کہ آج اخلاق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسطرح مظاہرہ ہوجائے کہ ان بچارے ناواقف عوام کو بھی معلوم ہوجائے کہ ان تمام خونوں کی ذمہ داری انھیں کے بزرگوں پر ہے نہ کہ بانی اسلام پر۔

قرآنی نصوص اور تاریخی شواہد سے اس امر کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اگر رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جہاد فرماتے تو مسلمانوں ہی کو فتح نصیب ہوتی بلکہ کفار کے دل میں بھی اس بات کا احساس تھا۔ لیکن اس کے باوجود آپ کا جہاد سے صرف نظر کرکے ان تمام مصائب کا تحمل کرلینا جو تکمیل صلحنامہ میں پیش آئے اس امر کا واضح ثبوت تھا کہ یہ پیغمبر امن اور رسول صلح و سلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ اس کے قانون حیات میں جنگ و جدل قتل و غارت کا نام تک نہیں۔ کفار کے دلوں کا یہ تاثر اسلام کی طرف سے ان کے ذہن کے یہ پاکیزہ خیالات ہی وہ تھے کہ جنھیں قرآن کریم نے اسلام کی کھلی ہوئی فتح قرار دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ باتیں اس وقت ہرگز حاصل نہ ہوسکتیں اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کے کہنے میں آکر جنگ پر آمادہ ہوجاتے اور اس طرح اسلام قیامت تک کے لیے بدنام ہوجاتا۔

سرکار رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی واپسی حدیبیہ میں ۱۹ روز قیام کے بعد آپ صلعم کا قافلہ مدینہ کی طرف واپس ہوا۔ ابھی اثناء راہ ہی میں تھے کہ سورہ فتح نازل ہوا۔ آپ نے حضرت عمر جیسے افراد کی ذہنیت کو درست کرنے کے خیال سے اصحاب کو روک کر سورہ فتح سنایا لیکن بقول بخاری ایک صحابی نے کہہ دیا کہ یہ بھی اچھی فتح ہے مکہ سے نکالے گئے اذیتیں برداشت کیں اپنے آدمیوں کو پناہ نہ دے سکے

اور پھر فتح بنی رہ گئی۔ آپ نے جھلا کر فرمایا کہ یہ کیا بکواس ہے آج اسلام کو حقیقی فتح نصیب ہوئی ہے کیا وہ دن بھول گئے جب میں احد میں پکار رہا تھا اور تمھاری گرد قدم نہ ملتی تھی۔ کیا احزاب کی جنگ ذہن سے نکل گئی کہ آج اعتراض کرنے بیٹھے ہو۔ یہ سن کر اصحاب نے تائید کی اور اظہار مسرت کیا لیکن حضرت عمر نے پھر اعتراض کیا کہ آپ نے تو دخول مکہ کی خبر دی تھی۔ پھر ایسا کیوں ہوا؟ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اسی سال کا وعدہ نہیں کیا تھا (سیرت وحلانی)

سعید ابن منصور نے شعبی کا قول نقل کیا ہے کہ اسلام کو اس سے بہتر کوئی فتح نصیب نہ ہوئی۔ جس کا طبعی اثر یہ ہوا کہ ہر صاحب عقل و بصیرت اسلام میں داخل ہونے لگا اور حدیبیہ کے بعد دوسال میں اتنے افراد مسلمان ہوئے کہ جتنے صدر تبلیغ سے لے کر اس وقت تک نہ ہوئے تھے۔ اس امر کا تاریخی شاہد یہ بھی ہے کہ حدیبیہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف ۱۴۰۰ افراد لے کر گئے تھے اور دو سال کے بعد فتح مکہ میں آپ کے ساتھ دس ہزار کا لشکر تھا گویا کہ آج کی صلح کل کی فتح کا مقدمہ بن گئی۔ اور ظاہر ہے کہ فتح کے مقدمہ کو بھی فتح ہی کہا جاتا ہے۔

کشائش حال یہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ اثناء صلح مین ابوجندل نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پناہ طلب کی تھی۔ تو آپ نے اپنے وعدہ کا حوالہ دیتے ہوئے اسے تلقین صبر کرکے پلٹا دیا تھا اسی طرح کا دوسرا واقعہ ابوبصیر یعنی عتبہ ابن اسید کا ہے۔ کہ وہ بھی قید خانہ سے نکل کر رسول صلی اللہ علیہ وآلس وسلم کی خدمت میں مدینہ پہنچ گئے۔ ادھر قریش نے آپ کو لکھ بھیجا کہ یہ ہمارے معاہدہ کے خلاف ہے۔ لہٰذا واپس کیجئے۔ آپ نے ابوبصیر کو ان دونوں آدمیوں کے حوالہ کردیا یہ خط لے کر آئے تھے۔ ابوبصیر چلے گئے جب ایک منزل پر قیام کیا تو بہانہ سے ایک کی تلوار لے کر اس کا خاتمہ کردیا اور دوسرے کو بھی مارنا چاہا۔ مگر اس نے فرار کیا۔ انھوں نے پیچھا کیا۔ یہاں تک کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خدمت میں پہنچ گئے۔ آپ نے حالت دریافت کی قاصد نے شکایت کی۔ آپ نے ابوبصیر کی ہمدردی سے انکار کر

دیا وہ وہاں سے نکل کر ایسے مقام پر پہنچ گئے جہاں سے قریش کے قافلے گزرا کرتے تھے۔ ان کے پاس کچھ لوگ جمع ہوگئے۔ ادھر ابوجندل بھی کسی طریقہ سے ۷۰ سواروں کا لشکر لے کر ان کے پاس پہنچ گئے۔ اور اب ان لوگوں کا کاروبار ہوگیا کہ قریش کے ہر قافلے کو اذیت کرتے اور اس کے افراد کو قتل کردیتے۔ یہ حالت دیکھ کر قریش نے ابوسفیان کے ذریعہ پیغام بھیجا کہ ہم اس شرط کو ساقط کیئے دیتے ہیں جو مسلمان ہوجائے۔ آپ اس کو پناہ دیں۔ آپ نے یہ دیکھ کر ابوجندل اور ابوبصیر کو بلا بھیجا۔ جس وقت قاصد پہنچا۔ ابوبصیر کا وقت آخر تھا۔ جب ان کا انتقال ہوگیا تو ابوجندل نے ان کی قبر بنائی اور وہیں ایک مسجد کی بنیاد ڈالدی۔ پھر اس کے بعد اپنے ساتھیوں کو لیئے ہوئے خدمت سرکار رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوگئے۔ یہی وہ سنہرا موقع تھا کہ جب مسلمانوں کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دور اندیشی اور انجام بینی اور حکمت عملی کا اندازہ ہوا۔ آج سمجھے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلام بغیر وحی نہیں ہوتا۔ آج ان پر انکشاف ہوا کہ وقتی صلح دائمی فتح کا پیش خیمہ ہوسکتی ہے آج اس امر پر پشیمانی ہوئی کہ ہم نے اپنی ناقص عقل کے مطابق کیوں اعتراض کیا تھا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیوں الجھے تھے۔ آج تو آپ مشرکین کو بھی حضرت کی دوررس نگاہوں کا انداز نظر معلوم ہوگیا اور وہ آپ کے صدق وصفا حسن سیرت صلہ رحم اور ایفائے عہد پر ایمان لے آئے۔

مورد نماز بر جنازہ ابن ابی منافق یہ وہ سخت موقف تھا جب کہ حضرت عمر نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نہایت شدت کے ساتھ مخالفت کی اور آپ کا دامن پکڑ کر کھینچ لیا۔ چنانچہ بخاری (ج۴ ص۳۵ بخاری معہ حاشیہ السندی) نے عبداللہ ابن عمر سے روایت کی ہے کہ جب عبداللہ ابن ابی کا انتقال ہوا تو اس کے بیٹے نے آکر حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مطالبہ کیا کہ کفن کے لیئے اپنی قمیص دے دیجئے۔ اور اس کی نماز جنازہ پڑھ کر اس کے لیئے استغفار فرمایئے۔ حضرت نے قمیص دے کر اطلاع کرنے کا حکم دیا۔ اس نے کفن دینے کے بعد مطلع کیا آپ تشریف

لے گئے۔ ادھر نماز کے لیئے کھڑے ہوئے ادھر حضرت عمر نے دامن پکڑ کر کھینچ لیا کہ آپ نماز پڑھ رہے ہیں اور خدا کا حکم ہے کہ منافقین کے لیئے استغفار مفید نہیں ہے خواہ وہ ستر مرتبہ کیوں نہ ہو۔ اس واقعہ کے بعد آیت نازل ہوئی کہ آئندہ سے ایسے لوگوں کی نماز جنازہ مت پڑھا کیجئے اور ان کی قبر پر قیام مت کیا کیجئے۔

روایت سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت عمر نے آیت عدم افادیت استغفار سے یہ اندازہ کرلیا تھا کہ نماز جنازہ حرام ہے۔ اسی لیئے اس شدت سے مقابلہ کیا۔ حالانکہ کھلی ہوئی بات ہے کہ یہ استغفار غلط ہے۔ آیت کا مفہوم عدم افادیت استغفار ہے نہ کہ حرمت صلوٰہ۔ بلکہ امت کا اجماع اس امر پر واقع ہے کہ حرمت نماز کا حکم اس واقعہ کے بعد نازل ہوا ہے جیسا کہ خود اس روایت سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ (بخاری و مسلم ج ۲ ۳۵۷ طبع مکہ) کی روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر کی باتوں کو تحمل کرتے ہوئے نماز ادا کی اور قبر تک تشریف بھی لے گئے۔ اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار بھی مفید ہوتا تو میں ضرور دعا کرتا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس معاملہ میں ظاہر شریعت کی بنا پر نہایت ہی صحیح اقدام کیا تھا۔ اس لیئے کہ مرنے والا کافر نہ تھا۔ کہ اس کی نماز جنازہ حرام ہوتی۔ بلکہ بظاہر مسلمان تھا۔ اور ظاہری مسلمانوں کے جنازہ میں شرکت یہ اسلامی آئین ہے بلکہ حضرت کے اس اقدام سے ایک ایسی فتح بھی نصیب ہوئی جو حضرت عمر جیسے جنگجو افراد کے لیئے ناگوار خاطر تھی۔ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس طرز عمل سے قبیلہ خزرج کے ایک ہزار افراد دائرہ اسلام میں داخل ہوگئے۔ اور یہ وہ وقت تھا جب حضرت عمر کو اپنے کئے پر ندامت رہی اور یہ اندازہ ہوا کہ حضرت صلعم کے اقدامات مطابق شریعت و مصلحت ہوا کرتے ہیں۔ چنانچہ بقول (کنزالعمال ج ۱ ص ۲۴۷) خود انھوں نے بھی اپنی سخت کلامی پر ندامت کا اظہار کیا۔

مورد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تکرار

حضرت عمر کا یہ مقابلہ تاریخی اعتبار سے کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ انھوں نے

اس کے قبل و بعد بھی ایسے سلوک کئے ہیں۔ چنانچہ ابن حجر عسقلانی نے ابوعطیہ کے حالات میں (اصابہ ج ۴ ص ۱۳۵ طبع مصر) ان سے روایت کی ہے کہ ایک شخص کا انتقال ہوگیا تو حضرت عمر نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ آپ نماز نہ پڑھیں۔ آپ نے صحابہ سے سوال کیا کہ کسی نے اس کو کارخیر کرتے ہوئے دیکھا ہے؟ ایک شخص نے جواب دیا کہ فلاں شب میں ہمارے ساتھ سرحدی محافظین میں سے تھا۔ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سنکر نماز پڑھی اور قبر تک تشریف لے گئے۔ مٹی دینے کے بعد فرمایا کہ لوگ تجھے جہنمی خیال کرتے ہیں اور میں تیرے جنتی ہونے کی گواہی دیتا ہوں پھر آپ صلعم نے حضرت عمر کو ڈانٹا۔

اس واقعہ کو (اصابہ ج ۴ ص ۱۸۵) میں مصنف نے ابومنذر کے حالات میں بھی نقل کیا ہے۔ طبرانی نے بھی ہشام بن سعد سے تقریباً یہی روایت نقل کی ہے۔ اور اس کے آخر میں حضرت صلعم کا یہ قول بھی درج کیا ہے کہ جو راہ خدا میں جہاد کرے اس پر جنت واجب ہے۔ اس واقعہ کی تفصیل کتاب اصابہ سے معلوم ہوسکتی ہے۔

مورد بشارت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حکمت الیہ اور مصلحت خداوندی کا تقاضا یہ تھا کہ سرکار رسالت امت اسلامیہ میں اس امر کا اعلان فرمائیں کہ جو شخص اللہ کی بارگاہ میں با ایمان بلاشک و شبہ حاضر ہوگا اسے جنت عطا کی جائے گی۔ چنانچہ آپ صلعم نے ابوہریرہ کو اس بشارت کے اعلان کا حکم دے کر روانہ کیا۔ راستہ میں حضرت عمر سے ملاقات ہوگئی۔ اس نے یہ اعلان سنکر ابوہریرہ کو اتنی زور سے دھکا دیا کہ وہ زمین پر الٹ گئے اور روتے پیٹتے خدمت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے آپ صلعم نے استفسار حال کیا۔ انھوں نے قصہ بیان کیا۔ اتنے میں حضرت عمر پہنچ گئے آپ صلعم نے ان سے مواخذہ کیا تو کہا ایسے اعلانات مت کیا کیجئے۔ اس طرح امت عمل کو ترک کرکے بیٹھ جائے گی۔ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مشورہ کی صحت کا اندازہ کرکے اپنی رائے بدل دی۔ (شرح مسلم نووی ج ۱ ص ۲۳۷)

علامہ نووی (شرح مسلم ا ص ۲۴۱) نے اس واقعہ کی توجیہ قاضی عیاض وغیرہ سے یوں نقل کی ہے کہ درحقیقت حضرت عمر نے سرکار رسالت پر کوئی اور اعتراض نہیں کیا تھا بلکہ ان کا مقصد یہ تھا کہ اس اعلان سے امت میں فساد پیدا ہوجانے کا اندیشہ ہے۔ اس لیئے اسے سینوں میں محفوظ رہنا چاہے۔ چنانچہ آپ نے حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بالمشافہ یہی نصیحت کی کہ یہ اعلان خلاف مصلحت ہے۔

تنقید یہ عذر درحقیقت میرے دعوی کی واضح دلیل ہے کہ یہ حضرات اپنی رائے کو حکم خدا و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قدم کردیا کرتے تھے۔ لیکن افسوس کہ بات اسی حد تک نہ رہی۔ بلکہ حضرت ابوہریرہ کی مرمت بھی ہوگئی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تنبیہ بھی۔ لیکن کیا کہنا مجسم اخلاق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کہ ان تمام ہفوات و خرافات کو سنتے ہوئے بھی نہایت ہی نرم دلی سے بات ٹال گئے اور حزب مخالف کو اس کا احساس نہ ہونے دیا کہ وہ کتنی بڑی جرات سے کام لے رہا ہے۔ جس کا قہری اثر یہ ہوا کہ یہ بشارت عام ہوکر عمر، عثمان، معاذ، عبادہ اور عتبہ بن مالک تک پہنچ گئی۔ اور اس روایت کو سجد تواتر تمام مسلمانوں نے قبول کرلیا اور آج بھی مسلمانوں میں اس پر عمل ہورہا ہے۔ سب سے زیادہ تعجب خیز اور حیرت انگیز بات اس مقام پر یہ ہے کہ علامہ نووی اور قاضی عیاض جیسے افراد نے اس واقعہ میں حق حضرت عمر کے ساتھ قرار دیا ہے۔ بکہ نووی نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر رعیت کو حاکم کی رائے میں اعتراض ہو تو بے دھڑک اس کا اظہار کردینا چاہیئے۔ تاکہ حاکم کو غور کرنے کا موقع ملے۔ اگر صحیح ہو تو وہ اپنی رائے بدل دے اور اگر غلط ہو تو غلطی سے مطلع کردے۔

ایک نظر مجھے یہ تمام باتیں منظور ہیں اگر میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی باقی حکام کی طرح فرض کرلوں لیکن اگر قرآن کریم نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت مطلقہ کا حکم دیا ہو تو میں ایسے معاذیر کو کیونکر قبول کروں اور حضرت عمر کو کس طرح معذور قرار دوں میری نظر میں تو اگر حق حضرت عمر کے ساتھ ہے تو

پھر حق سے پرہیز لازم ہے اور ایسے باطل پر عمل لازم ہے جو رسول صلی اللہ علیہ وآل وسلم کا مسلک و مشرب ہو۔

مورد متعنہ حج یہ وہ عمل ہے جس کو خود سرکار رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بحکم الٰہی انجام دیا ہے اور قرآن کریم نے بصراحت بیان کیا ہے۔ **فمن تمتع بالعمرہ الی الحج** ۔

طریقہ تمتع اس حج کا طریقہ یہ ہے کہ انسان حج کے مہینوں میں میقات سے احرام باندھ کر مکہ آئے اور طواف و سعی سے فراغت کرکے تقصیر کرے۔ اور اس طرح جملہ قیود احرام سے آزاد ہو جائے۔ اور پھر اس کے بعد بروقت حج کا احرام مکہ سے باندھ کر عرفات جائے وہاں سے مشعر اور پھر اس کے بعد باقی افعال و ارکان حج بجالائے۔ اور اس طرح فریضہ حج سے سبکدوشی حاصل کرے۔

علامہ قرطبی (تفسیر قرطبی ج ۲ ص ۳۵۰) کا کہنا ہے کہ علماء میں یہ بات مسلم ہے کہ حج تمتع میں عمرہ حج سے پہلے ہوتا ہے لیکن صرف حج کے مہینوں میں۔

اقول یہ فریضہ صرف ان لوگوں کے لیئے ہے جو مکہ کے ۴۸ میل سے باہر رہتے ہوں۔ اس حج کو حج تمتع اس لیئے کہتے ہیں کہ تمتع کے معنی لذت اندوزی کے ہیں۔ اور اس حج میں اتنا موقع مل جاتا ہے کہ انسان عمرہ حج کے درمیان اپنے عیال سے لذت اندوز ہوسکے۔ اور یہی وہ فریضہ تھا کہ جس کی حضرت عمر اور اس کے اتباع نے مخالفت کی۔ یہاں تک کہ بعضوں نے کہہ دیا کہ یہ بھی کوئی طریقہ ہے کہ ہم ایسی حالت میں جائیں کہ ہمارے ------ سے قطرات ٹپک رہے ہوں۔ (حاشیہ زرقانی ۲ ص ۲۶۵ طبع قاہرہ)

مجمع البیان نے ایک روایت نقل کی ہے کہ ایک شخص نے یہی عذر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیان کیا تھا تو آپ نے فرمایا کہ تم لوگ اس پر ایمان نہیں لاسکتے۔

مسند احمد ج ۱ ص ۵۰ میں یہ روایت ہے کہ ابوموسیٰ اشعری نے حج تمتع کے جواز

کا فتوٰے دیا تو لوگوں نے کہا کہ حضرت عمر نے منع کیا ہے۔ چنانچہ اس نے حضرت عمر سے ملاقات کی تو انھوں نے یہ عذر بیان کیا کہ اس طرح لوگ عورتوں سے تعلقات پیدا کریں گے اور پانی ٹپکاتے ہوئے حج کو جائینگے۔

ابو نفرہ ناقل ہے کہ ابن عباس اس فریضہ کا حکم دیتے تھے اور ابن زبیر اس سے روکتے تھے۔ تو میں نے اس کا ذکر جابر بن عبداللہ انصاری سے کیا تو انھوں نے فرمایا کہ ہم نے خود حج رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کیا ہے۔ لیکن حضرت عمر نے اپنے زمانہ میں اعلان کرادیا کہ اللہ نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لے جو چاہا مباح کردیا۔ اب تمھارا فریضہ ہے کہ بحکم قرآن حج و عمرہ کو تمام کرو اور اگر شخص درمیان میں عورتوں سے تعلق پیدا کرے گا تو میں پتھر سے سنگسار کروں گا۔ (مسلم ج ۸ ص ۱۶۸ شرح نودی) (مسند احمد ا ص ۵۲ و ۱۷)

بلکہ انھوں نے ایک دن تو منبر پر آزادی کے ساتھ اعلان کردیا کہ دو متعہ زمانہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حلال تھے اور میں دونوں کو حرام کرتا ہوں۔ متعۃ حج ، متعۃ نساء ، تفسیر رازی وغیرہ۔

بعض روایات میں تین چیزوں کا ذکر ہے۔ جن میں ایک **حی علی خیر العمل** بھی ہے۔ اس مطلب کو علامہ قوشجی نے ارسال مسلمات کے طور پر بیان کیا ہے حالانکہ وہ بڑے متعصب سنی ہیں۔

فصل حضرت عمر کی یہ وہ حرکت ہے جس کی ائمہ اہل بیتؑ نے صراحتاً مخالفت کی ہے۔ بلکہ بعض صحابہ نے بھی اس کے خلاف آوازیں بلند کی ہیں۔ چنانچہ شرح مسلم ۸ ص ۱۶۸ میں یہ روایت ہے کہ حضرت عثمان نے اس متعہ سے روکا اور حضرت علیؑ نے جائز قرار دیا۔ آخر کار دونوں میں گفتگو ہوئی۔ تو حضرت علیؑ نے حضرت عثمان کو زمانہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یاد دلائی۔ حضرت عثمان نے کہہ دیا کہ ہم خائف تھے۔

سعید بن مسیب راوی ہے کہ جب دونوں میں گفتگو ہوئی تو حضرت عثمان نے کہا

آپ سے کیا مطلب ہم منع کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا یہ نہیں ہوسکتا۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جائز قرار دیا ہے۔ مسلم ہی میں غنیم بن قصیر سے روایت ہی کہ سعد بن ابی وقاص سے پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ بخدا ہم نے اور اس بکافر دونوں نے یہ عمل کیا ہے (مراد معاویہ ہے)۔

ابوالعلاء کہتے ہیں کہ مجھ سے عمران بن حصین نے کہا کہ میں ایک بات بتائے دیتا ہوں جو تمھارے کام آئے گی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنہ ۱۰ ہجری بعض لوگوں کو عمرہ کا حکم دیا ہے۔ اس کے بعد یہ آیت منسوخ نہیں ہوئی۔ اب لوگ جو چاہیں کریں انھیں اختیار ہے۔

ایسی ہی روایت حمید بن ہلال سے مروی ہے۔ قتادہ بن مطرف نے بھی بیان کیا ہے۔ کہ عمران نے مجھے یہ مطلب بتایا تھا۔ انھیں سے دوسری سند سے بھی یہ روایت وارد ہوئی ہے۔ عمران بن مسلم کی مسند میں بھی یہ روایت منقول ہے۔ مسلم کے علاوہ بخاری نے بھی اس روایت کو اپنی کتاب (ج ۱ ص ۲۴۷ حاشیہ سندی) میں نقل کیا ہے۔

موطاء مالک میں یہ روایت ہے کہ جس سال معاویہ نے حج کیا اس سال سعد و ضحاک میں اختلاف ہوا۔ سعد نے متعہ کا ذکر کیا تو ضحاک نے کہا کہ اس پر وہی عمل کرے گا جو حکم خدا سے جاہل ہو۔ سعد نے ٹوکا تو کہا کہ حضرت عمر نے حرام کردیا ہے۔ سعد نے جواب دیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حلال کیا تھا اور ہم نے عمل بھی کیا ہے۔ (زرقانی ۲ ص ۲۶۵ ترمذی ۳ ص ۳۹)

مسند احمد میں مروی ہے کہ ابن عباس نے متعہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر کیا تو عروہ نے کہا کہ حضرت ابوبکر و عمر نے منع کیا ہے۔ ابن عباس نے اس کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا کہ یہ عروہ کا بچہ کیا کہتا ہے؟ کہا گیا کہ حضرت ابوبکر و عمر نے منع کیا ہے۔ فرمایا کہ یہ لوگ ہلاک ہوجائیں گے۔ میں حکم خدا و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیان کرتا ہوں اور یہ حضرت ابوبکر و عمر کا ذکر کرتے ہیں۔ (الطرق الحکمتیہ

ص ۱۸)

ایوب کہتے ہیں کہ عروہ نے ابن عباس کو ٹوکا۔ تم خدا سے نہیں ڈرتے متعہ کو جائز کرتے ہو۔ ابن عباس نے کہا کہ اپنی اماں سے پوچھو عروہ نے کہا کہ حضرت ابوبکرو عمر نے نہیں کیا ہے۔ ابن عباس نے جواب دیا کہ تم لوگ بغیر عذاب الٰہی کے باز نہیں آو گے۔ میں حکم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نقل کرتا ہوں اور تم طریقہ شیخین (الطرق الحکمتیہ ص ۱۸)

صحیح مسلم میں یہ روایت بھی ہے کہ ابن عباس نے جائز کیا۔ تو لوگوں نے ابن زبیر کا قول نقل کیا۔ انھوں نے فرمایا کہ اس کی ماں سے پوچھو۔ لوگوں نے سوال کیا تو اس نے تصدیق کی۔ (شرح مسلم ج ۸ ص ۲۲۴)

صحیح ترمذی میں منقول ہے کہ ابن عمر سے سوال ہوا تو انھوں نے حلال بتایا لوگوں نے کہا کہ تمھارے باپ نے حرام کیا ہے؟ انھوں نے کہا کہ میں باپ کا اتباع کروں یا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس نے کہا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کہا تو حضرت نے جائز کیا تھا۔ (ترمذی جلد ۳ ص ۳۹)

اس کے علاوہ صحاح میں متعدد روایات ایسے ہیں جن کا انکار ناممکن ہے بلکہ صحیح مسلم سے تو یہاں تک اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت نے حجتہ الوداع کے موقعہ پر ایک لاکھ آدمیوں کے درمیان اس حکم کا اعلان کیا تو سرافہ بن مالک نے پوچھ لیا کہ یہ حکم ا سال کا ہے یا دائمی ہے تو آپ نے فرمایا یہ حکم ہمیشہ ہمیشہ کا ہے (شرح مسلم ج ۸ ص ۱۶۵)

یہ روایت بھی نقل ہے کہ حضرت علیؑ یمن سے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے اونٹ لے کر آئے تو دیکھا کہ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا محل ہو کر کر رنگین لباس پہنے ہیں۔ آپ نے سبب پوچھا انھوں نے حکم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حوالہ دیا۔ آپ نے حضرت سے سوال کیا تو حضرت نے فرمایا کہ فاطمہؑ صادقہ ہے۔ (سنن ابی داود ج ا ص ۴۱۷) (مسلم ج ا ص ۵۱۱)

مورد متعہ نساء یہ وہ محبوب عمل ہے جسے خدا و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مباح قرار دیا اور مسلمانوں نے اس پر زمانہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دور حضرت ابوبکر بلکہ ابتدائے دور خلافت حضرت عمر میں عمل بھی کیا۔ لیکن اس کے بعد حضرت عمر نے یہ اعلان کردیا کہ دو متعہ زمانہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حلال تھے اور میں ان کو حرام کرتا ہوں۔ بلکہ اس کے عامل پر عقاب بھی کروں گا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۵۳ طبع مصر)

جہاں تک اس مسئلہ کے متعلق روایات کا سوال ہے تو وہ جملہ اصحاب صحاح نے نقل کی ہیں جیساکہ ہم نے سابق میں صحیح مسلم سے نقل کیا ہے اور حدیث سے یہ واضح کیا ہے کہ حضرت عمر نے اس عمل کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مخصوص کردیا تھا۔ حالانکہ واضح ہے کہ حلال و حرام رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابدی حیثیت رکھتے ہیں۔ قرآن کریم میں اس عمل کا صریحی ذکر موجود ہے۔ جس کا اعتراف خود فخر رازی نے کیا ہے۔ اگرچہ حضرت عمر کی طرف سے تاویل بھی لے۔

ہم نے موسیٰ جاء اللہ کے جواب میں اس مسئلہ پر مفصل بحث کی ہے۔ لہٰذا اس رسالہ کا مطالعہ کیا جائے۔ ہمارا مقصد اظہار حق اور اعلان واقع ہے۔ کسی مسلمان کے جذبات کو مجروح کرنا ہمارا کام نہیں ہے۔ ہمارے رسالہ میں آٹھ موضوعات ہیں (۱) حقیقت ولوازم عقد متعہ (۲) اجماع امت اسلامیہ بر اصل جواز (۳) دلالت کتاب کریم (۴) دلالت نصوص احادیث (۵) ادلۂ نسخ (۶) روایات دالہ برانتساب نسخ بعمر (۷) مخالفین رائے حضرت عمر از صحابہ و تابعین (۸) رائے شیعہ امامیہ۔ جو حضرات اس موضوع سے دلچسپی رکھتے ہوں اور تحقیق کرنا چاہتے ہوں وہ ہمارے رسالہ کا بخلوص و رقت مطالعہ کریں۔ اور پھر فیصلہ کریں کہ آیا اس عمل کو حلال ہونا چاہیئے یا نہیں؟

مورد تصرف دراذان ہم نے اپنے امکان بھر شیعہ و سنی دونوں قسم کی کتابوں کی چھان بین کی لیکن ہمیں کسی مقام پر یہ نہ مل سکا کہ زمانہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا زمانہ حضرت ابوبکر میں اذان میں "الصلوٰۃ خیر من النوم" رہا ہو۔ بلکہ

صراحتاً نقل کیا گیا ہے کہ اس کا اضافہ حضرت عمر نے اپنے زمانہ خلافت میں کرایا جس کے خلاف آئمہ عترتؑ کی احادیث بکثرت موجود ہیں۔ بلکہ اہل سنت کے علماء نے بھی اس امر کا اظہار کیا ہے۔ مالک نے (موطاء ج ا ص ۱۴۹) میں یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمر کے سونے کی بناء پر موذن نے اس کلمہ کا اضافہ کردیا تو انھوں نے پسند کرلیا۔ زرقانی نے اس کی شرح میں بیان کیا ہے کہ یہ روایت دار قطنی نے دو مسندوں میں نقل کی ہے۔ (شرح زرقانی ج ا ص ۱۴۹ و ج ا ص ۷) میں کہتا ہوں کہ اسے ابن ابی شیبہ وغیرہ نے بھی بیان کیا ہے اور ظاہر ہے کہ ان صریح روایات کے ہوتے ہوئے خالد بن عبداللہ واسطی کی اس روایت کی کوئی قیمت رہتی ہی نہیں ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اعلان نماز میں تردد تھا تو ایک مرد انصاری اور حضرت عمر نے خواب دیکھ کر فصول اذان بیان کیئے اور حضرت صلعم نے اسی کا حکم حضرت بلال کو دے دیا۔ یا حضرت بلال نے اپنے پاس سے اس کلمہ کا اضافہ کردیا تو آپ نے پسند فرمالیا۔ اس لیئے کہ خاندان عبداللہ کو یحیی مرہ ابن عدی ابوزرعہ وغیرہ نے ضعیف حقیر ناچیز بلکہ کذاب قرار دیا ہے اور ذہبی نے میزان میں اس روایت کے رواہ پر نقد کیا ہے۔ اس طریقہ سے وہ روایت بھی ہے جو ابو محذورہ نے نقل کی ہے کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اذان کا سوال کیا۔ تو آپ صلعم نے تمام فصول کو تعلیم دے کر فرمایا کہ صبح کی اذان میں اس کلمہ کا اضافہ کردیا کرو۔ اس روایت کو ابو داود نے محمد بن عبدالملک کے واسطہ سے نقل کیا ہے۔ جس کو ذہبی نے ناقابل استدلال قرار دیا ہے اس کا دوسرا واسطہ عثمان بن سائب اور اس کا باپ ہے جو دونوں کے دونوں ضعیف ہیں بلکہ اسی روایت کو مسلم نے بعینہ نقل کیا ہے۔ اور اس میں اس کلمہ کا ذکر نہیں ہے۔ خود ابوداود کی دوسری روایت میں یہ کلمہ مذکور نہیں ہے۔ علاوہ اس کے کہ ابو محذورہ طلقاء اور مؤلفتہ القلوب میں سے ہے یہ فتح مکہ اور جنگ حنین کے بعد اسلام لایا ہے اس وقت یہ حضرت سے بے حد متنفر تھا۔ اور آپ کے موذن کی نقل کرکے اس کا مذاق اڑاتا تھا لیکن وہ چاندی کی

تھیلیاں جو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تقسیم فرمائی تھیں اور وہ مال غنیمت جو کہ تقسیم ہوا تھا وہ کفار کا اسلام میں بے تحاشا داخلہ اور وہ اسلام کی روز افزوں شوکت اس امر کی سبب بن گئی کہ یہ شخص بھی اسلام میں داخل ہوگیا اور پھر مکہ ہی میں مرگیا۔ (اصابہ ترجمہ ابومحذورہ ج ۴ ص ۱۷۵) خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی ابومحذورہ ابوہریرہ اور سمرہ سے یہ کہہ دیا تھا کہ تمہارا آخری مرنے والا جہنمی ہے۔ (اصابہ استیعاب ترجمہ سمرہ) (اصابہ جلد ۴ ص ۷۸) اور یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہ بلیغ انداز بیان تھا کہ جس پر ہماری جانیں قربان ہیں اس اجمال کے ذریعہ حضرت نے مسلمانوں کو ان تینوں کے باطن کی طرف متوجہ کردیا تاکہ شبہ اور اجمال کی بناء پر ان میں سی کسی کی روایت پر اعتبار نہ کیا جائے۔ ورنہ یہ موقع پاکر دین کو تباہ برباد کردیں گے۔ ظاہر ہے کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو رسول صلعم ضرور واضح فرما دیتے سچ ہے (**فعل الحکیم لایخلو عن الحکمہ**) اگر کوئی یہ احتمال دے کہ شائد آپ صلعم نے بیان فرمایا تھا جو ہم تک نہیں پہنچ سکا تو ہم یہ کہیں گے کہ اگر کوئی ایسی بات ہوتی تو علماء سب سے خوف نہ کرتے حالانکہ ان کی حالات سے ایسا ہی اندازہ ہوتا ہے علاوہ اس کے کہ ہمارے لیئے تو بہرحال عمل مشکل ہے اس لیئے کہ ہمارے اعتبار سے تو یہ تینوں اب تک مشکوک بنے ہوئے ہیں۔ چاہے بیان صادر ہوکر غائب ہی کیوں نہ ہوگیا ہو۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ دو کے مرجانے کے بعد تو روایت کا مفہوم واضح ہوگیا تو ہم یہ کہیں گے کہ قانون عقل کی بنا پر ضرورت کے وقت مقصد کا بیان کردینا ضروری ہوتا ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ یہ لوگ اسلام لانے کے بعد مسلمانوں کی نماز شہادت فتوی وغیرہ میں محل ابتلاء بن گئے تھے۔ لہٰذا اگر کوئی بھی قابل اعتبار ہوتا تو حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ضرور بیان فرمادیتے۔ لیکن آپ کا سکوت یہ بتارہا ہے کہ اس ابہام و اجمال سے تینوں کے اعتبار کو ساقط فرمانا چاہتے تھے۔ ورنہ یہ کیونکر ممکن ہے کہ ایک معتبر و معقول آدمی کو آپ متہم بنادیں۔ صرف اس لیے کہ اس کے رفقاء میں کوئی ایک غیر معتبر ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہم نے اپنے امکان

بھر تاریخوں میں تفتیش کی کہ آخر ان میں کا آخری کون ہے لیکن خدا شاہد ہے کہ ہم کوئی قطعی فیصلہ نہیں کرسکے۔ بعض نے (اصابہ ج ۲ ص ۷۸) سمرہ کو آخر کہا ہے اور بعض نے ابوہریرہ کو بعض نے تینوں کو ایک سال میں لکھا ہے۔ اور روز و ماہ کی تعین نہیں کی۔ اس لیئے ہم تو بہرحال ان پر اعتبار کرنے سے معذور ہیں تیسری بات یہ بھی ہے کہ کسی کا بلاوجہ متہم کردینا اس خلق عظیم کے بھی منافی ہے۔ جس پر قدرت نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فائز کیا تھا۔ لہٰذا میرا یقین ہے کہ اگر یہ حکم نہ ہوتا تو حضرت ہرگز اس ابہام و اجمال سے معتبر صحابہ کو متہم نہ بناتے۔

تنبیہہ اگر کوئی شخص ہمارے برادران اہل سنت کے مذہب سے واقفیت رکھتا ہے تو اسے اس امر سے قطعا تعجب نہ ہوگا کہ اذان میں کمی یا زیادتی کیونکر ہوسکتی ہے اس لیئے کہ ان کے نزدیک اذان کی ایجاد کسی آسمانی وحی کی بنا پر نہ تھی بلکہ اس کی بنیاد عبداللہ بن زید کے خواب پر تھی جو انھوں نے دیکھ کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتایا تھا اور یہ روایت ان حضرات کے نزدیک اس قدر معتبر ہے کہ اس پر دعوی اجماع وتواتر بھی کیا گیا ہے۔ چنانچہ ابو داود (شرح زرقانی ا ص ۱۳۵) نے اپنے سنن میں یہ روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان نماز کے لیے اظہار تردد فرمایا تو بعض لوگوں نے مشورہ دیا کہ ایک پرچم نصب کرادیا کیجئے۔ اس کے ذریعہ تدریجا اطلاع ہوجائے گی۔ آپ نے اس رائے کو ناپسند کیا تو کہا گیا کہ سنکھ بجایا جائے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ یہودیوں کا طریقہ ہے۔ کسی نے کہا کہ ناقوس بجایا جائے فرمایا یہ نصاری کا انداز ہے لیکن پھر بھی فی الحال اس پر عمل کیا جائے۔ چنانچہ تیار کیا گیا۔ ادھر عبداللہ نے خواب میں دیکھا کہ کسی نے اذان کو تعلیم دی اور صبح کو آکر حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیان کیا۔ آپ نے بلال کو حکم دیا کہ یونہی اذان کہا کریں۔ حضرت عمر نے یہ خواب بیس روز پہلے سے دیکھ لیا تھا جب حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیان کیا تو آپ نے فرمایا کہ تم نے پہلے کیوں نہ

بیان کیا۔ تو کہا کہ عبداللہ کے بعد شرم محسوس ہوئی۔ دوسری روایت اسی انداز کی محمد بن عبداللہ نے اپنے پاپ سے نقل کی ہے جس میں فصول اذان و اقامت دونوں کا ذکر ہے۔ اور اس میں یہ بھی ہے کہ عبداللہ بتاتے جاتے تھے اور بلال کہتے جاتے تھے۔

امام مالک نے موطاج ا ص ۷۳۵ میں اس روایت کو مختصر طور پر نقل کیا ہے۔ اس مقام پر یہ بات یاد رہے کہ یہ واقعہ نماز صبح کا ہے لیکن اس اذان میں **الصلوہ خیر من النوم** کا ذکر نہیں ہے۔ خدا جانے مسلمان اس کی کیا تاویل کریں گے۔

علامہ عبدالبر نے اس قصہ کے تواتر کا دعوی کیا ہے۔ (شرح زرقانی ا ص ۱۳۵) گویا کہ تمام اہلسنّت میں یہ واقعہ مسلم حیثیت رکھتا ہے۔

اقول ان احادیث کے ثبوت میں چند اشکالات ہیں:۔

۱۔ قرآن کریم کے نصوص سے واضح ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احکام الہیہ عوام کے مشورہ سے وضع نہیں کرتے تھے۔ بلکہ آپکا صریحی اعلان ہے کہ میں وحی الٰہی کا تابع ہوں۔ (سورہ احقاف) قرآن نے بھی یہی تعلیم دی تھی۔ کہ جب تک تنزیل ختم نہ ہوجائے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بولنے کا حق نہیں ہے۔ (سورہ قیامتہ) اور یہی صفت امتیاز رسالت ہے کہ بغیر وحی تکلم نہ کرے۔ (النجم) حیف کہ مسلمانوں نے اپنے اغراض و مقاصد کے لے قرآن کو پس پشت ڈال دیا۔

۲۔ قرآن کریم سے قطع نظر کرنے کے بعد بھی عقل کا مستقل فیصلہ ہے کہ اس قسم کے مشورے رسول کے لیئے محال ہیں۔ وہ اللہ پر اہتمام نہیں لاسکتا۔ وہ اپنے پاس سے بلا وحی سماوی کوئی حکم وضع نہیں کرسکتا۔ یہ ضرور ہے کہ بعض امور دنیا میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عوام سے بحکم قرآنی مشورہ کیا کرتے تھے لیکن اس کا مقصد صرف تالیف قلوب تھا ورنہ عزم رسالت اور حکم ربوبی ان تمام مشوروں سے مافوق تھا جیسا کہ قرآن کریم نے بھی بیان کیا ہے۔

۳۔ ان روایات میں صراحت کے ساتھ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تحیر و پریشانی کا ذکر ہے۔ حالانکہ ایسی باتیں اللہ کے وابستگان سے محال ہیں۔ بھلا یہ کیونکہ

ممکن ہے کہ پہلے ناقوس کا حکم دیں۔ اس کے بعد اذان پر اعتماد کرلیں۔ حالانکہ وقت عمل بھی نہ آیا تھا اور یہ وہ بداء ہے کہ جو با جماع مسلمین محال ہے۔ بعد وقت عمل حکم کا منسوخ ہوجانا تو ممکن ہے لیکن قبل عمل حکم کا ختم ہوجانا غیر ممکن ہے۔ دوسری بات یہ بھی ہے کہ شریعت اسلام میں باجماع امت غیر رسول کے خواب کا کوئی اعتبار نہیں ہے اور اس پر احکام کی بنیاد نہیں رکھی جاسکتی۔

۴۔ ان روایات میں اس شدت سے اختلاف پایا جاتا ہے کہ ان پر اعتماد ناممکن ہے چنانچہ ابوداود ہی کی دو روایتیں آپس میں مختلف ہیں جیسا کہ وقت نظر سے واضح ہوتا ہے۔ پھر ان دونوں کا مفہوم یہ ہے کہ خواب عبداللہ اور حضرت عمر میں منحصر تھا حالانکہ طبرانی نے حضرت ابوبکر کی طرف نسبت دی ہے۔ (زرقانی ا ص ۱۳۶) بلکہ حلبی نے (۲ ص ۱۰۲) اپنی سیرت میں تو اور بھی غضب کردیا اس نے یہ اقول بھی نقل کیے ہیں کہ یہ خواب ۱۴ یا ۱۸ افراد نے دیکھا ہے۔ بلکہ بعض روایات میں حضرت بلال کا بھی ذکر ہے۔ (زرقانی ا ص ۱۳۶) حلبی نے ان تمام اقوال کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے لیکن ظاہر ہے کہ وہ غریب کیا کرتا جب بات ہی بے ربط تھی۔

۵۔ بخاری و مسلم (زرقانی ج ا ص ۱۳۵) نے اپنی کتابوں میں ان روایتوں کا کوئی ذکر ہی نہیں کیا جس سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ان کی نظر میں یہ روایات بالکل مہمل تھیں۔ بلکہ ان کی روایات کی بناء پر جب رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشورہ کیا تو بعض نے سنکھ اور بعض نے ناقوس کا مشورہ دیا۔ حضرت عمر نے رائی دی کہ آواز لگائی جائے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال کو حکم دیا اور انھوں نے اذان شروع کردی۔ بخاری و مسلم میں صرف اتنا ہی ذکر ہے اور ظاہر ہے کہ یہ روایت ان روایات سے بالکل مختلف ہے۔ ان میں تشریع کا تعلق خواب سے ہے اور اس میں مشورہ سے ان میں عبداللہ کی سبقت کا ذکر ہے اور اس میں اس کا کوئی دخل ہی نہیں ہے۔ اس روایت میں یہ مضمون ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجلس مشورہ ہی میں حکم اذان دے دیا تھا اور ان میں یہ

مفہوم ہے کہ صبح کے وقت عبداللہ کے خواب کے بعد حکم صادر ہوا جس کا مطلب یہ ہے کہ مشورہ سے کم از کم ایک رات کے بعد اذان ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ اس روایت میں حضرت عمر کا وجود مذکور ہے۔ اور ان روایت میں حضرت عمر کی غیبت کا ذکر ہے یہاں تک کہ اذان کی آواز سننے کے بعد آئے اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے خواب کی بھی خبر دی۔ کوئی صاحب انصاف بتائے کہ کیا ایسے مختلف روایات بھی قابل جمع ہوتے ہیں یہ بھی یاد رہے کہ ان خواب آور احادیث کا ذکر حاکم نے بھی مستدرک میں ترک کردیا ہے۔ حالانکہ اس کی بنا یہ تھی کہ بخاری و مسلم سے ترک شدہ صحیح روایات کو جمع کیا جائے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس نے اپنے موضوع میں کافی محنت کی ہے۔ لیکن اس کے باوجود اعراض کرنا یقیناً دلیل بطلان ہے۔ مزید ستم ظریفی یہ ہے کہ حاکم نے (زرقانی ا ص ۱۳۵) یہ فقرہ بھی درج کیا ہے کہ عبداللہ کے روایات کو ہم نے اس لیئے ترک کردیا ہے کہ وہ وقت ایجاد اذان موت کے گھاٹ اتر چکا تھا۔

اقول اس کا موید یہ ہے کہ جمہور مسلمین کے یہاں اذان کی ابتدا جنگ احد کے بعد ہوئی ہے۔ اور عبداللہ کے متعلق اس کی لڑکی کا یہ بیان ہے کہ میرا باپ جنگ بدر میں شریک ہوا اور احد میں مارا گیا۔ حلیتہ الاولیاء (اصابہ ج ۲ ص ۳۰۴) نے اس روایت کو سند صحیح سے نقل کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر روایت خواب صحیح ہوتی تو بیٹی اپنے باپ کے فضائل میں یہ کارنامہ بھی عمر بن عبدالعزیز سے بیان کرتی۔ تاکہ انعام و اکرام کا زیادہ استحقاق پیدا ہوتا۔

۶۔ قرآن حکیم نے صریحی طور پر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تقدیم سے منع کیا ہے۔ یہاں تک کہہ دیا ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تقدم حبط اعمال کا باعث ہوجاتا ہے۔ اور بقول بخاری (۳ ص ۱۹۱) یہ اس وقت کا واقعہ ہے کہ جب بنی تمیم کی ایک جماعت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک حاکم کا مطالبہ کیا تھا۔ اور حضرت ابوبکر نے فورا کہہ دیا تھا کہ قعقع بن معبد کو بناد یجئے اور عمر نے ٹوک

کر کہا تھا کہ اقرع بن حابس کو بنایئے۔ اور پھر دونوں میں جھگڑا شروع ہوگیا تھا۔ قدرت نے فورا ان آیات کے ذریعہ دونوں کو تنبیہہ کی اور یہ بتایا اب اگر کبھی مجھ (رسول) پر تقدم کیا اور میرے سامنے آواز بلند کی تو تمھارے اعمال حبط ہوکر رہ جائیں گے۔

ظاہر ہے کہ آواز بلند کرنے کے معنی شور مچانے کے نہیں ہیں۔ بلکہ اس کے مقصد یہ ہے کہ رسول کے سامنے اپنی بھی کوئی حیثیت خیال کی جائے۔ اور ان کی رائے سے پہلے اپنی رائے بیان کردی جائے۔ اور ظاہر ہے کہ ان روایات میں یہ بات صراحت کے ساتھ پائی جاتی ہے۔ کہ ان خواب زدہ افراد نے اپنی رائے فورا پیش کردی اور اس کا انتظار نہ کیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وحی سماوی کی بنا پر کوئی حکم صادر فرمائیں۔ اور مسلمان اس پر عمل کرکے سعادت دارین حاصل کریں۔ اور حبط اعمال سے محفوظ رہیں۔

۷۔ ہر ذی فہم انسان اس امر کا اندازہ لگا سکتا ہے کہ اذان و اقامت در حقیقت معدن نماز کے دو گوہر ہیں۔ ان کی نسبت اسی ذات کی طرف ہوسکتی ہے کہ جس کی طرف اصل نماز منسوب ہے۔ یہی وہ عمل ہے کہ جس کے ذریعہ اسلام کا امتیاز اس کا اعلان حق اور اس کی عظمت کا اظہار ہوتا ہے۔ اور یہی وہ نعمت ہے جو اسلام کے علاوہ کسی مذہب کو حاصل نہیں ہے۔ درحقیقت رات کے سناٹے میں موذن کی اذان داعئ حق کی ایک پکار ہے۔ جو جسم کی ساتھ روح کو بھی بیدار کردیتی ہے۔ انسان یہ محسوس کرنے لگتا ہے کہ اس میں فطری تڑپ پیدا ہوگئی ہے۔ پھر کلمات کی ترتیب نماز کا پورا نقشہ نظروں میں کھینچ دیتی ہے۔ ایک طرف عظمت الٰہی اور توحید ربوبی کے جلو سے اور دوسری طرف رسالت کا اعلان حق اور اس کی جلالت کا بیانگ دہل اظہار مرد مسلم میں وہ روحانی قوت پیدا کرتا ہے۔ کہ جو عام تصورات سے مافوق ہے۔ اس کے بعد نماز فلاح کی دعوت انسان کو اس کے انجام کی طرف متوجہ کرتی ہے۔ اور آخر میں تکبیر و تہلیل کی تکرار انسان کو پھر اصلی مقصد کی طرف موڑ دیتی ہے۔

ذرا انصاف کیجئے ایسی اہم ترتیب اور اتنے بامعنی کلمات ایسا موثر انداز کیا کسی غیر ربانی قوت سے حاصل ہو سکتا ہے؟ کلا ولا

مجھے حیرت ہے ان عقلوں پر جو ایسے اہم نکات کو جو گوہر نماز اور جوہر نماز ہیں۔ انھیں عبداللہ و حضرت عمر جیسے افراد کی طرف منسوب کریں۔ اگر انسان ناقد بصیر ہے تو اس کی درایت ان روایات کی ابطال کے لئے کافی ہے۔

۸۔ تشریح اذان کے سلسلے میں اہل سنت کے جملہ روایات ان روایات کے مخالف ہیں۔ کہ جو ائمہ عترت سے ہم تک پہنچے ہیں اور ظاہر ہے کہ مرد مسلم ائمہ طاہرین کے مقابلہ میں کسی انسان کے قول کو محل اعتبار نہیں قرار دے سکتا۔ صاحب وسائل الشیعہ نے امام صادق سے یہ روایت نقل کی ہے کہ جبرئیل نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اذان و اقامت کہی تو آپ نے حضرت بلال کو بلا کر تعلیم دی اور اس کے بعد سے یہ سلسلہ شروع ہوگیا۔ یہی روایت شیخ کلینی شیخ صدوق اور شیخ طوسی جیسے مقدس اور محتاط افراد نے نقل کی ہے کہ جن پر اعتماد کرنا ہر ذی ہوش انسان کا فرض ہے۔ اس کے علاوہ سیرت حلبیہ ج ۲ ص ۱۰۳ نے ابوالعلاء سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے محمد بن حنفیہ سے خواب کی روایت ذکر کی تو آپ کو غصہ آگیا۔ اور فرمانے لگے کہ اب جرات یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ اذان کو خواب کا نتیجہ کہتے ہیں۔ جبکہ اکثر خواب غلط اور اوہام کے نتائج ہوتے ہیں۔ خدا کی قسم یہ قول باطل ہے۔

سفیان بن لیل کہتے ہیں کہ میں امام حسن کے پاس مدینہ میں حاضر ہوا اور حضرت سے اذان کا ذکر چھیڑ دیا۔ بعض لوگوں نے خواب کی روایت نقل کی تو آپ نے فرمایا کہ اذان کی شان ان خرافات سے اجل و ارفع ہے اس کو جبرئیل امین آسمان سے لائے ہیں (مستدرک حاکم ۳ ص ۱۷۱)

ہارون بن سعید نے زید شہید کے سلسلے سے نقل کیا ہے کہ حضرت علی کے بیان کی بناء پر رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذان کی تعلیم شب معراج دی گئی ہے اور اسی وقت نماز بھی واجب کی گئی ہے۔ (مشکل الاثار طحاوی کنز العمال ج ۶

ص ۲۷۷)

مورد "حی علی خیرالعمل" اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ عصر رسالت میں یہ فقرہ جزاذان و اقامت کی حیثیت سے استعمال ہوتا تھا لیکن بعد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زمانہ خلافت دوم میں اولیاء امر نے مصلحت وقت کو دیکھتے ہوئے اس فقرہ کو اذان سے ساقط کردیا۔ جس کا واضح سبب یہ تھا کہ اگر مسلمانوں کو یہ اندازہ ہوگیا کہ بہترین عمل نماز ہے تو وہ ثواب خدائی کو اس پر سکون عمل میں تلاش کریں گے اور اس طرح جنگ و جدل قتل و غارت کو جو اس وقت اسلامی شوکت کے لیئے بے حد ضروری ہے اس کا سدباب ہوجائے گا اور مسلمان اس سے اعراض کرلیں گے۔ انھیں مصالح کے پیش نظر (بقول علامہ قوشجی اشعری) حضرت عمر نے برسرمنبر یہ اعلان کیا کہ تین چیزیں عہد رسالت میں رائج تھیں میں انھیں حرام کیئے دیتا ہوں۔ اور اب ان کے عامل پر عقاب بھی کروں گا۔ حج تمتع متعہ حی علی خیرالعمل۔ حضرت عمر کے بعد ان کے جملہ اتباع نے علاوہ اہل بیتؑ رسالت کے اس عمل میں ان کا اتباع کیا کہ ان حضرات نے اس فقرہ کو اپنا شعار قرار دے کر اپنے اسلام کی ترویج کو اسی نماز کے ذریعہ ضروری تصور کیا چنانچہ حسین بن علی بن الحسین شہید فخ نے زمانہ ہادی خلیفہ عباسی میں اس فقرہ کو رائج کیا تھا جیسا کہ مقاتل الطالبین ص ۱۵۶ طبع تہران میں مذکور ہے۔ اس کے علاوہ حلبی نے سیرت میں ذکر کیا ہے کہ ابن عمر اور حضرت سجاد دونوں اپنی اذانوں میں اس فقرہ کا ذکر فرماتے تھے۔ (سیرت حلبیہ ج ۲ ص ۱۰۵)

اقول علماء امامیہ کی کتابوں میں تو یہ احادیث بتواتر نقل کیے گئے ہیں جس سے بالوضاحت ظاہر ہوتا ہے کہ ائمہ عترت کا مسلک یہی فقرہ تھا اور ان کی ترویج اسی عمل پر موقوف تھی

"فصل"

علماء امامیہ کے نزدیک اذان میں اٹھارہ فصلیں ہیں۔ ۴ تکبیریں ، ۲ شہادتیں ، ۲ حی علی الصلوہ ، ۲ حی علی الفلاح ، ۲ حی علی اخیر العمل ، ۲ تکبیر ، ۲ تہلیل ، اقامت

میں دو تکبیریں ابتداء سے کم ہوجائی ہیں۔ اور ایک تہلیل آخر سے جس کے بدلے میں دو قدقامت الصلوہ کا اضافہ ہوجاتا ہے اور اس طرح ۱۷ فصلیں تیار ہوجاتی ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ ان فصول کے علاوہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام پر صلوات مستحب ہے۔ جس طرح کہ حضرت کے بعد ذکر امیرالمومنینؑ مستحب ہے۔ مگر افسوس ہے کہ بعض بدعتی افراد اس فقرہ شہادت کو بدعت قرار دے کر حرام بنانا چاہتے ہیں۔ حالانکہ اسلام میں شاید ہی کوئی موذن ایسا ہو جو اذان کے ساتھ ابتدا میں چند کلمات اور پھر وسط میں سرکار رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوات نہ بھیجتا ہو حالانکہ یہ سب اذان میں داخل نہیں ہیں بلکہ ان کا ذکر تبرکا ہوتا ہے۔ علاوہ اس کے کہ اگر اس فقرہ کو اذان سے کوئی ربط نہ ہو بلکہ یہ مستحب بھی نہ ہو تو سوال یہ ہے کہ اثناء اذان میں یہ بات کرنا ہی کب حرام ہے۔ ایسے افراد یہی فرض کرلیں کہ یہ ایک تکلم ہے آخر یہ حرام و بدعت کا سوال کہاں سے پیدا ہوا؟ کیا آج کی دنیا میں بھی افتراق بین المسلمین محبوب عمل ہے؟

مورد سہ طلاق اس مسئلہ کی حقیقت یہ ہے کہ شرع اسلام نے اجتماعی ضروریات کا لحاظ کرتے ہوئے طلاق کا قانون وضع کرکے اس کی ترتیب یوں قرار دی کہ اگر کوئی اپنی زوجہ کو طلاق دے تو اسے دوبارہ بلا عقد رجوع کرنے کا حق ہے۔ اگر رجوع کرکے دوبارہ پھر طلاق دے دی تو پھر رجوع کرنے کا حق ہے لیکن اگر اب رجوع کرکے طلاق دے دی تو جب تک دوسرے کے عقد میں جاکر پھر خارج نہ ہو اس کے لیئے اس عورت سے عقد جائز نہیں ہے۔ قرآن کریم نے اس کو واضح الفاظ میں بیان کیا ہے۔

علامہ زمخشری (کشاف ا ص ۲۰۷) نے بھی آیت کی تفسیر میں یہی لکھا ہے کہ طلاق کو دو مرتبہ الگ الگ ہونا چاہئے۔ پھر عورت کو روک لے یا آزاد کردے۔ اب اگر اس کو زوجیت سے آزاد کرنے کے لیئے تیسری مرتبہ طلاق دے دی تو پھر انسان کو رجوع کرنے کا کوئی حق نہیں ہے لیکن مسلمانوں نے اس خدائی ترتیب کو بدل کر یہ

انداز اختیار کرلیا ہے کہ ایک ہی مجلس میں ایک ساتھ تین طلاق دے دیتے تھے اور عورت کو اپنے سے بے تعلق فرض کرلیتے تھے۔ حضرت عمر کے سامنے یہ مسئلہ پیش ہوا تو انھوں نے اسی انداز کو پسند کرلیا اور اسی کے مطابق حکم بھی صادر کر بیٹھے جیسا کہ حسب ذیل اخبار سے اندازہ ہوتا ہے۔

صحیح مسلم ۱۰ ص ۷۱ میں یہ روایت ہے کہ ابوا لصہباء نے ابن عباس سے دریافت کیا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر کے زمانہ میں ۳ طلاق کا ایک مفہوم نہیں تھا۔ تو انھوں نے فرمایا کہ یہ صحیح ہے لیکن حضرت عمر نے لوگوں کی طبیعت کے مطابق اس قانون کو بدل دیا (مسلم ج ۱۰ ۷۱) اس کتاب میں چند صحیح طریقوں سے ابن عباس کا قول مروی ہے کہ طلاق الٰہی دستور کے مطابق زمانہ رسالت اور خلافت اول بلکہ دوم کے دوسال تک جاری رہا۔ اس کے بعد حضرت عمر نے لوگوں کی تنبیہہ کے لیے بدل دیا (المنار ج ۲ ص ۳۸۶) حاکم نے اس واقعہ کو مستدرک میں اور ذہبی نے اس کی تلخیص میں درج کیا ہے امام احمد نے اس روایت کو اپنی مسند ج ۱ ص ۳۱۴ میں اور اس کے علاوہ بیہقی نے ج ۷ ص ۳۳۶ اور قرطبی نے اپنی تفسیر کے ج ۳ ص ۱۳۰ میں درج کیا ہے۔

علامہ شیخ رشید رضا نے "المنار کے ج ۲ ص ۳۸۴" پر ان روایات کو نقل کرنے کے بعد یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طرز عمل اس کے خلاف تھا آپ نے رکانہ کو باوجود تین طلاق کے رجوع کا حکم دے دیا۔ چونکہ وہ تینوں ایک مجلس میں تھیں۔ نسائی نے اپنی کتاب ج ۲ ص ۱۴۲ میں یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ ایک شخص نے مجلس واحد میں تین طلاق دے دی تو جب حضرت کو معلوم ہوا تو غصہ میں اٹھ کھڑے ہوئے فرمایا میری زندگی میں قرآن کے ساتھ یہ کھیل ہورہا ہے۔ ایک شخص نے عرض کیا یا حضرت اسے قتل کردیں؟ (الطرق الحکمتیہ ص ۱۷)

مختصر یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طرز عمل جملہ اسلامی

کتابوں سے بالکل واضح ہے۔ یہاں تک کہ علامہ دہر محمد خالد بصری نے اپنی کتاب دیمقراطیہ ص ۱۵۰ میں نقل کیا ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب نے اپنے مصالح کی بناء پر بہت سے صریحی نصوص کو ٹھکرایا بلکہ بہت سے آیات کو ناقابل عمل تصور کرلیا۔ چنانچہ قرآن نے زکوہ میں مولفہ القلوب کا حصہ قرار دیا انھوں ترک کردیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر نے ام ولد کی تجارت کو جائز رکھا اور انھوں نے حرام کردیا۔ سنت رسول کی بناء پر طلاق کا شمار ایک ہوتا تھا۔ انھوں نے تین تصور کرکے حکم کردیا۔ وغیرہ وغیرہ۔

علامہ دوالیسی نے اپنی کتاب اصول فقہ ص ۲۴۶ میں تحریر کیا ہے کہ احکام زمانہ کے تغیرات سے بدلتے رہتے ہیں۔ چنانچہ اس سلسلہ سے حضرت عمر نے ایک مجلس کے ۳ طلاق کو ۳ قرار دے کر حکم فرمادیا تھا حالانکہ زمانہ رسالت بلکہ زمانہ خلافت اولی اور ابتدائے خلافت دوم میں ایسا ہرگز نہ تھا جیسا کہ ابن عباس کے روایات سے معلوم ہوتا ہے لیکن حضرت عمر نے یہ دیکھا کہ لوگ طلاق کو مذاق سمجھے ہوتے ہیں اور اس طرح ایک ساتھ تین طلاق دے دیتے ہیں۔ تو انھوں نے اس پر اکتفا کرنا شروع کردیا تاکہ ان کی تنبیہہ ہوجائے۔ جیسا کہ علامہ ابن قیم نے بیان فرمایا ہے۔ ص ۱۶ صحابہ کرام چونکہ حضرت عمر کی سیاست و ہوش مندی سے واقف تھے اس لے انھوں نے بھی اس کا اتباع کیا۔ اور اسی کے مطابق حکم کرنے لگے۔ اور اس طرح زمانہ کے ساتھ حکم بدل گیا۔ یہ اور بات ہے کہ خود ابن قیم نے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ عصر حاضر کے لحاظ سے قانون رسالت کو پھر جاری ہونا چاہیے ایلیے کہ سلسلہ عمریہ سے محلل(۱) کا رواج ہوجائے گا۔ حالانکہ یہ عہد صحابہ میں نہ تھا اور ظاہر ہے کہ عقاب (۱) تین طلاقوں کے بعد جس شخص کو آئیندہ عقد کرنے کے لے واسطہ بنایا جاتا ہے اسے اصطلاح شریعت میں محلل (حلالہ) کہتے ہیں۔ اس کا یہ مصرف ہے کہ مطلقہ عورت سے عقد کرکے مباشرت کرے اور پھر طلاق دیدے تاکہ عورت اپنے سابق شوہر کے لے حلال ہوجائے۔ (مترجم)

اگر خود ہی مفسدہ کو مستلزم ہوجائے تو اس کا بدل دینا ہی خدا و رسول کے نزدیک محبوب و مرغوب ہے۔ ابن تیمیہ کا کہنا تھا کہ اگر خود حضرت عمر نے یہ منظر دیکھ لیا ہوتا کہ لوگ محلل کے بارے میں کس قدر کثافت کاریوں سے کام لے رہے ہیں تو وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد سے اتفاق کرلیتے۔ بظاہر ابن قیم اور ابن تیمیہ کے ان بیانات کا مقصد یہ تھا کہ مصر کے تازہ محکموں کو پھر سے عہد رسالت کے قوانین کی طرف پلٹا دیں۔ تاکہ وہ قانون اپنی جگہ پر رہے کہ زمانہ کے تغیر کے ساتھ احکام کا تغیر ناگزیر ہے۔ (اقول) تاکہ یہ قانون مسلم رہے کہ نصوص قرآن و سنت کی مخالفت حرام اور موجب ندامت ہے۔ (چرا کارے کند عاقل الخ)

مورد صلوہ تراویح یہ بات تاریخی اعتبار سے مسلم ہے کہ تراویح کا کوئی ذکر عہد رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلکہ زمانہ خلافت اول میں نہ تھا۔ سرکار رسالت نے علاوہ نماز استسقاء کے باقی سنتی نمازوں میں جماعت کو غیر مشروع قرار دیا تھا اور یہی طرز عمل عہد حضرت ابوبکر میں رہا۔ ۱۳ ہجری میں حضرت ابوبکر کا انتقال ہوا۔ اس سال بھی سنت رسول ہی پر عمل رہا لیکن ۱۴ ہجری (موطاء ا ص ۱۵۴) کے رمضان میں حضرت عمر نے اپنی خلافت کی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے مسجد کی سیر کی تو دیکھا کہ لوگ مختلف حالات میں مشغول عبادات ہیں۔ انھیں یہ شان پسند نہ آئی ۔ اور انھوں نے فورا نماز تراویح کی ایجاد کردی۔ (حیوہ الحیوان ا ص ۳۴۶) دو امام مدینہ میں مقرر کردیئے۔ ایک مردوں کے لیئے اور ایک عورتوں کے لئے۔ اور باقی کے لیئے دیگر شہروں میں حکم فرمادیا صحیح بخاری و مسلم میں (مسلم ج ۶ ص ۳۹) اگرچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ادائے مستحبات کی تاکید مذکور ہے لیکن ماہ رمضان کی راتوں میں تراویح کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ بلکہ بخاری کی کتاب تراویح میں تو عبد قاری سے یہ روایت درج ہے کہ وہ حضرت عمر کے ساتھ مسجد میں داخل ہوئے۔ تو انھوں نے متفرق حالات دیکھ کر یہ فرمایا کہ میں انھیں مجتمع کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ انھوں نے سب کے لئے ابی بن کعب کو امام مقرر کردیا۔ اور دوسری رات میں اس

اجتماعی منظر کو دیکھ کر کمال مسرت سے اعلان کیا کہ یہ بہترین بدعت ہے۔

علامہ قسطلانی نے شرح بخاری ج ۳ کے ص ۴۳ پر اس حدیث کی شرح میں تحریر فرمایا ہے کہ حضرت عمر نے اس کو بدعت سے اس لئے تعبیر کیا کہ عہد رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا عہد حضرت ابوبکر میں نہ اس قسم کا کوئی اجتماع تھا نہ یہ ترتیب نہ ایسی نماز تھی۔ اور نہ اتنی تعداد اس کے علاوہ دیگر شرحوں میں بھی اس قسم کے کلمات پائے جاتے ہیں۔

علامہ ابن شحنہ نے روضۃ المناظر میں سنہ ۲۳ کے حوادث کے ذکر میں حضرت عمر کے ان خصوصیات کا ذکر کیا ہے کہ انھوں نے ام ولد کے بیع سے منع کیا۔ نماز میت میں چار تکبیریں کردیں اور نماز تراویح کی ایجاد کی سیوطی نے تاریخ الخلفاء ص ۵۳ میں عسکری کی کتاب اوائل سے حضرت عمر کے اولیات کو نقل کیا ہے۔ کہ انھوں نے متعہ کو حرام کیا تراویح کی ایجاد کی۔ نماز میت میں چار تکبیریں قرار دیں اور پہلے پہل امیرالمومنین کا لقب پایا ابن سعد نے طبقات ج ۳ میں حضرت عمر کے خصوصیات کا ذکر کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ انھوں نے سنہ ۱۴ میں نماز تراویح ایجاد کرکے مدینہ میں اس کے لئے دو امام مقرر کئے اور باقی شہروں میں اس کا حکم بھیج دیا۔ ابن عبدالبر نے استیعاب میں تحریر کیا ہے کہ حضرت عمر نے ماہ رمضان کو اس نماز سے روشن کردیا۔ ج ۲ ص ۴۵۲ ہامش اصابہ۔

اقول ان علماء کا خیال ہے کہ حضرت عمر نے اپنے تدبیر سے ایک ایسی حکمت کی ایجاد کردی کہ جس سے خود سرکار رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی غافل تھے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ خود حضرت عمر بھی سرکار رسالت کے حکام کی حکمت سے بے بہرہ تھے۔ دین اسلام نے نماز مستحب میں جماعت کو اس لیئے غیر مشروع قرار دیا ہے کہ نماز مستحب انسان اپنے رب سے مناجات کے لیئے اختیاری طور پر ادا کرتا ہے لہٰذا اسے ایسی خلوت حاصل ہونی چاہیئے کہ وہ باقاعدہ اپنے رب سے تضرع و زاری گریہ و بکا امید و بیم رغبت اور رہبت انابتہ و توبہ کے ساتھ مناجات کرسکے۔ پھر اس کا دوسرا اجتماعی فائدہ یہ ہو کہ گھر کے بچے نماز کے عادی بنیں۔ اس لیئے کہ وہ گھر میں ماں باپ کے افعال کی پیروی کرتے ہیں اور پھر انھیں سے اعمال کا درس حاصل کرتے ہیں۔ علاوہ اس کے کہ انسان کا گھر نماز کی برکت سے باکل محروم نہ رہ سکے گا۔ اور شاید یہی راز تھا کہ جب عبداللہ بن مسعود نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ نماز گھر میں افضل ہے یا مسجد میں تو آپ نے فرمایا کہ میرا مکان مسجد سے بے حد قریب ہے لیکن میں غیر واجب نماز کو گھر میں زیادہ پسند کرتا ہوں (احمد ج ا ص ۱۴ ابن ماجہ ابن خزیمہ الترغیب و الترہیب) زید بن ثابت نے حضرت سے روایت کی ہے کہ آپ صلعم نے فرمایا کہ اپنے گھروں کو بعض نمازوں سے بزرگ بناو (بخاری ج ا ص ۹۰) و (مسلم ج ا ص ۳۱۳) میں روایت نقل کی گئی کہ ہے کہ حضرت نے بیت با نماز و بیت بے نماز کو مردہ اور زندہ سے تشبیہ دی ہے۔ جابر ناقل ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب نماز واجب ہوجائے تو کچھ نمازیں گھر میں پڑھا کرو کہ اس میں خیر ہے۔ (موطاء شرح سیوطی ج ا ص ۱۴۰ بخاری ابوداؤد۔

لیکن ان تمام باتوں کے باوجود خلیفہ وقت نے اپنی تدبیر و تنظیم سے مرد مسلم کو ان تمام اجتماعی مذہبی اور تربیتی فوائد سے محروم کردیا جن کے لے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز مستحب کو فرادی قرار دیا تھا۔

مورد "نماز جنازہ" رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طرز عمل یہ تھا کہ نماز جنازہ میں پانچ تکبیریں فرمایا کرتے تھے لیکن عمر کو یہی اچھا معلوم ہوا کہ انھوں نے ایک تکبیر کم کردی جیسا کہ سیوطی نے تاریخ الخلفاء ص ۳۵ میں اور ابن شحنہ نے روضۃ المناظر میں درج کیا ہے۔ علامہ محمد خالد کا بیان طلاق کے بارے میں گزر چکا ہے۔ امام احمد نے عبدالاعلی سے روایت کی ہے کہ زید بن ارقم نے ایک جنازہ پر ۵ تکبیریں کہیں تو ایک شخص نے ٹوک دیا۔ انھوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ یونہی پڑھی ہے میں اسے ابدا ترک نہ کروں گا۔ ج ۴ ص ۳۷۰۔

اس طرح زید بن ارقم نے سعد بن بحیر کے جنازہ پر بھی نماز ادا کی تھی۔ اصابہ ترجمہ سعد ص ۳۱۔ معارف بن قتیبہ احوال ابویوسف۔ امام احمد نے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ یحیی نے عیسی غلام حذیفہ کے ساتھ نماز پڑھی انھوں نے ۵ تکبیریں کہہ کر یہ اعلان کیا کہ میں نے سہود نسیان نہیں کیا ہے بلکہ میرے مولا حذیفہ نے بھی یونہی پڑھی تھی۔ اور اعلان کیا تھا کہ میں نے سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عمل کیا ہے۔ ج ۵ ص ۴۰۶۔ میزان الاعتدال ترجمہ یحیی بن عبداللہ۔

مورد "میراث خواہر و برادر" قرآن کا صریحی حکم ہے کہ میت کے برادر و خواہر کو اسی وقت میراث مل سکتی ہے جبکہ خود مرنے والے کے اولاد نہ ہو۔ لیکن حضرت عمر نے اولاد سے صرف لڑکے کو مراد لے کر یہ حکم کردیا کہ میت کی لڑکی کے ساتھ بہن کو میراث مل سکتی ہے۔ اور اسی پر مذاہب اربعہ نے ان کا اتباع بھی کرلیا ہے لیکن ائمہ اہل بیت کا یہ اتفاقی حکم ہے کہ اولاد کے ہوتے ہوئے ان قرابتداروں کا کوئی حق نہیں ہے۔ اس لیئے کہ قرآن نے بعض اقرباء کو بعض پر مقدم کیا ہے۔ بلکہ بعض روایات سے تو یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ حضرات اس مسئلہ کے شدت سے مخالف تھے حتی کہ ابن عباس سے جب اس مسئلہ عمریہ کا ذکر ہوا تو انھوں نے فرمایا تم بہتر واقف ہو یا خدا۔ راوی کہتا ہے کہ میں اس کا مطلب نہ سمجھ سکا تو میں نے ابن

طاوس سے سوال کیا۔ انھوں نے کہا کہ میں نے اپنے باپ سے سنا ہے کہ وہ ابن عباس سے نقل کر رہے تھے کہ اس سے مراد آیت قرآنی ہے کہ جس میں بہن کی میراث کو عدم اولاد پر معلق کیا گیا ہے۔ (مستدرک ج ۴ ص ۳۹)

مورد عول فرائض مسلمانوں میں یہ اختلاف ہے کہ آیا عول فرائض میں ممکن ہے یا نہیں اور عول کی معنی یہ ہیں کہ ترکہ حقداروں کے حق سے کم ہوجائے۔ مثلا کسی مرنے والی کے ورثہ میں دو بہنیں ہوں اور شوہر۔ تو قرآن کی رو سے دونوں کو دو ثلث (۲/۳) مل گئے اور شوہر کو نصف (۱/۲) حالانکہ یہ غیر معقول ہے حضرت عمر کے سامنے جب یہ مسئلہ پیش ہوا تو انھوں نے نا سمجھی کی بناء پر یہ حکم دیا کہ سب کا حق تھوڑا تھوڑا کم کردیا جائے۔ لیکن ائمہ اہل بیتؑ نے یہ بتایا ہے کہ مقدم کو مقدم کیا جائے اور موخر کو موخر۔ چنانچہ امام باقرؑ فرمایا کرتے تھے کہ ریگزار کے ذرات کا حساب جاننے والا اس امر سے بھی واقف ہے کہ حق میں زیادتی نہیں ہوسکتی مگر تم نہیں جانتے۔ ابن عباس تو یہاں تک کہتے تھے کہ میں حجر اسود کے پاس مباہلہ کرسکتا ہوں کہ یہ حکم خدا کے خلاف ہے سارے ذرات کا عالم اس سے واقف نہیں ہے کہ ایک مال میں دو ثلث اور ایک نصف کیسے ہوگا؟ درحقیقت یہ قوم کی جہالت کا نتیجہ ہے۔

حضرت عمر کے سامنے یہ مسئلہ پیش ہوا تھا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۵۳) (مختصر کنزا لعمال حاشیہ مسند احمد ج ۴ ص ۲۰۸) تو انھوں نے سب کے حق کو کم کردیا۔ حالانکہ اگر انھیں موخر و مقدم کا علم ہوتا تو یہ بات نہ ہوتی۔ یاد رکھو مقدم وہ ہوگا جس کے حق کو دو مرتبہ بیان کیا گیا ہو۔ پہلے ایک درجہ پھر اگر غیر ممکن ہو تو دوسرا درجہ اور موخر وہ ہے جس کے لیئے دوسرے درجہ کی تعین نہ مثلا شوہر کو اس کا حق نصف ہے۔ اگر اولاد بھی ہو تو ۱/۴ اس سے کم نہ ہوگا برخلاف دختران و خواہران ان کا حق ۲/۳ ہے۔ اس سے کم کی مقدار معین نہیں ہے۔ اب اگر مقدم کو مقدم کردیا جاتا تو کوئی سوال ہی پیدا نہ ہوتا۔ یہ حدیث شرح لمعہ میں موجود ہے۔ "بیہقی ج ۶ ص ۲۵۳" حاکم نے اسی روایت کے آخری اجزا کو مستدرک ج ۴ ص ۳۴۰ پر نقل کیا

ہے اور پھر اس کی تصحیح بھی کی ہے۔ اس قانون کی بناء پر اگر ورثہ میں شوہر مادر اور دو دختر ہوں تو شوہر کو ۳/۱ مادر کو ۶/۱ اور باقی دختران کو دیا جائے گا۔ لیکن اس مسئلہ میں اگر بجائے دختران خواہران پر تقسیم ہوتی ہے۔ اہل بیتؑ کے نزدیک میراث کے تین طبقات ہیں (۱) ماں باپ اور اولاد (۲) برادران و خواہاران و اجداد (۳) اعمام و اخوال! طبقہ مقدم کی ہوتے ہوئے طبقہ موخر میراث سے محروم رہے گا۔ یہی مذہب ائمہ عترت کا ہے۔ اور اسی پر اجماع امامیہ ہے۔ اور یہی ازروئے قرآن حکم خداو رسول ہے۔ واللہ اعلم۔

مورد میراث جد و اخوت بیہقی نے اپنے سنن اور شعب الایمان (مختصر کنز العمال ج ۴ ص ۲۲۱ حاشیہ مسند احمد) میں نقل کیا ہے کہ حضرت عمر نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس میراث کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ سوال بے فائدہ ہے۔ تم اس کے علم سے پہلے مرجاؤ گے۔ سعید بن مسیب راوی حدیث کا قول ہے کہ ایسا ہی واقعہ بھی ہوا۔

اقول اس مسئلہ میں حضرت عمر کی رائے بے حد مضطرب تھی۔ یہاں تک کہ بعض لوگوں کا قول ہے کہ انھوں نے ستر مختلف حکم صادر کیئے۔ عبیدہ سلمانی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر کے سو مختلف حکم یاد کیئے ہیں (طبقات بن سعد سنن بیہقی ج ۶ ص ۲۴۵) خود حضرت عمر کا قول ہے کہ میں نے جدہ کے بارے میں مختلف حکم کیئے ہیں لیکن کسی میں کوتاہی نہیں کی (کنزا لعمال ج ۶ ص ۱۵) زہری کا کہنا ہے کہ حضرت عمر نے اس مسئلہ میں مختلف حکم کیے۔ آخر کار ایک دن صحابہ کو جمع کرکے یہ طے کرلیا کہ جد کو باپ کے حکم میں درج کیا جائے۔ کہ اتنے میں ایک سانپ نکل آیا اور سب بھاگ گئے۔ حضرت عمر نے کہا کہ یہ خدا کو منظور نہ تھا۔ یہ کہہ کر زید بن ثابت کے پاس آئے اور اپنی خواہش بیان کی انھوں نے کہا کہ وہ باپ نہیں بن سکتا یہ بگڑ کر چلے آئے اور پھر آدمی بھیجا زید نے اپنی رائے لکھ کر بھیج دی انھوں نے مجمع میں اعلان کردیا کہ مجھے زید کی رائے پسند ہے۔ (حیواہ الحیوان مادہ حیہ ا ص ۲۸۱)

مورد فریضہ حماریہ اس واقعہ کی حقیقت یہ ہے کہ عہد حضرت عمر میں ایک عورت نے انتقال کیا جس کے ورثاء میں شوہر ماں دو مادری بھائی اور دو حقیقی بھائی تھے۔ حضرت عمر نے شوہر کو نصف ماں کو ۱/۶ اور مادری بھائیوں کو ۱/۳ دے کر حقیقی بھائیوں کو محروم کردیا اتفاقا دوسری مرتبہ پھر یہی مسئلہ آیا اور انھوں نے یہی حکم کیا تو ایک بھائی نے کہا کہ فرض کرو میرا باپ گدھا تھا یا پتھر تھا تو بہرحال ماں میں تو ہم سب شریک ہیں۔ یہ سنکر انھوں نے ۱/۳ میں چاروں کو شریک کردیا۔ یہ مسئلہ علماء اسلام میں بے حد مشہور ہے۔ چنانچہ ابوحنیفہ حنبل زفر ابن ابی لیلی وغیرہ نے حضرت عمر کی پہلی رائے کو اختیار کیا ہے۔ اور مالک و شافعی نے دوسری رائے کو اس مقام پر ائمہ اہل بیت کا مسلک واضح ہوچکا ہے۔ اس لیئے کہ ان کے نزدیک میراث طبقاتی حیثیت رکھتی ہے اور ظاہر ہے کہ چونکہ ماں پہلے طبقہ میں ہے اس لیئے اس کے ہوتے ہوئے کسی بھائی کا کوئی حصہ نہیں ہوسکتا بلکہ میراث یوں تقسیم ہوگی۔ شوہر ۱/۲ اور ماں باقی مال یہ واقعہ اسی انداز سے بیہقی اور ابن ابی کے سنن میں درج ہے (کنز العمال ج ۶ ص ۷) پر بھی یہ واقعہ مندرج ہے۔ احمد امین نے (فجر الاسلام ج ۲ ص ۲۳۷) میں بھی نقل کیا ہے۔

مورد قومیت در میراث قرآن مجید کے جملہ آیات میراث میں یہ بات واضح طور پر پائی جاتی ہے کہ ان احکام میں کسی قسم کا قومیاتی تفرقہ نہیں ہے۔ اور یہی مذہب سارے علماء اسلام کا بھی ہے۔

چنانچہ امام صادق نے فرمایا کہ اسلام شہادتین کا نام ہے اور اس پر حفظ نفس نکاح اور میراث کا دارو مدار ہے۔ اور یہی تفصیل تقریبا امام باقر سے بھی مروی ہے۔ لیکن مالک نے موطاء میں ایک مرد معتبر سے نقل کیا ہے کہ اس نے سعید بن مسیب کو یہ کہتے سنا تھا کہ حضرت عمر نے عجم کو میراث دینے سے منع کیا تھا جب تک کہ اس کی ولادت عرب میں نہ ہو خود مالک نے یہ تحریر کیا ہے کہ اگر کوئی حاملہ عورت عجم سے گرفتار ہوکر آئے اور اس کا بچہ عرب میں پیدا ہو تو وہ وارث ہوگا۔ ورنہ وہ

اس کا بیٹا ہی شمار نہ ہوگا۔ (موطاء مالک ج ا ص ۳۴۰ مطبوعہ مصر ۱۳۶۵ھ)

مورد میراث خال سعید بن منصور نے اپنی سنن میں یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے گرفتار شدگان میں سے ایک عورت کو دیکھ کر پہچان لیا کہ یہ اس کی بہن ہے۔ اس کے بعد اس کی ساتھ ایک لڑکا دیکھا لیکن یہ معلوم نہ تھا کہ اس کا باپ کون ہے۔ چنانچہ اس نے دونوں کو خرید کر آزاد کردیا اور پھر لڑکے نے کچھ مال بھی پیدا کرلیا اور مرگیا۔ ابن مسعود کی پاس یہ شخص میراث کا سوال لے کر گیا۔ انھوں نے کہا کہ حضرت عمر سے پوچھو اور جواب مجھ سے بیان کرو۔ وہ حضرت عمر کے پاس گیا انھوں نے فرمایا کہ تم پدری قرابتدار نہیں ہو تمھارا کوئی حق نہیں ہے۔ اس نے پلٹ کر ابن مسعود سے بیان کیا وہ اسے لے کر حضرت عمر کی پاس آئے اور بتایا کہ یہ قرابتدار بھی ہے۔ چونکہ ماموں ہے اور محسن بھی ہے۔ اس لے کہ آزاد کیا ہے۔ لہٰذا اس کا حق ہے۔ حضرت عمر نے اپنی رائے بدل دی (صاحب مختصر کنز العمال نے اس واقعہ کو ج۴ ص ۲۱۰) پر نقل کیا ہے لیکن ظاہر ہے کہ یہ مسئلہ اس وقت صحیح ہوگا جبکہ اس کی ماں پہلے مرچکی ہو ورنہ اس کے ہوتے ہوئے ماموں وارث نہیں ہوسکتا۔

مورد عدہ حاملہ بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے کہ حضرت عمر سے ایک عورت نے یہ سوال کیا کہ میرا شوہر مرگیا ہے۔ میں حاملہ تھی اب بچہ پیدا ہوگیا ہے میرا فریضہ کیا ہے۔ حضرت عمر نے کہا کہ ابھی چار مہینوں تک انتظار کرو۔ ابی بن کعب نے اس مقام پر اعتراض کردیا کہ اس کا عدہ وضع حمل ہے۔ انہوں نے نے کچھ سوچ کر اسی رائے کو اختیار کرلیا اور اسے دوسرے عقد کی اجازت دے دی اور یہی تمام علماء اسلام کا مذہب بن گیا۔ حالانکہ ظاہر ہے کہ قرآن کریم میں اس مسئلہ میں ایک ظاہری اختلاف ہے۔ ایک آیت میں مدت عدہ کی انتہا وضع حمل کو قرار دیا گیا گیا ہے اور دوسری میں چار مینہ دس دن کا حکم ہے۔ بنا بریں بہتر اور احوط یہی ہے کہ وہ زیادہ مدت تک انتظار کرے تاکہ دونوں آیتوں پر عمل ہوجائے۔ اور یہی مذہب ائمہ اہل بیتؑ کا بھی ہے جیسا کہ صاحب کشاف نے بیان کیا ہے۔

یہ واضح رہے کہ عام مسلمین عدہ وفات کی ابتداء اصل وفات سے قرار دیتے ہیں۔ لیکن ہم علماء امامیہ اس کی ابتداء اس وقت سے قرار دیتے ہیں کہ جب عورت کو شہر کے مرنے کا علم ہوجائے۔ تا کہ اس پ وہ انتظار صادق آسکے جس کا قرآن کریم نے حکم دیا ہے۔ اور وہ سوگ بھی منا سکے کہ جس کو شرع اسلام نے واجب کیا ہے۔

مورد تزویج زوجہ غائب فاضل دوالیسی نے اصول فقہ ص ۲۴۱ پر اس واقعہ کو نقل کیا ہے۔ کہ حضرت عمر نے ایک ایسی عوت کے بارے میں جس کا شوہر غائب تھا۔ یہ حکم دیا کہ وہ چار سال گزرنے کے بعد اپنا دوسرا عقد کرلے۔ اس لئے کہ بیکار بیٹھنے میں ضرر ہے۔ پھر کہتے ہیں کہ حنفی اور شافعی حضرات اسکے مخالفین ہیں ان کی نظر میں اتنا انتظار لازم ہے کہ اس کی موت معلوم ہو جائے۔ یا اس کے ہم سن مرجائیں لیکن حضرت عمر کی رائے بہتر ہے اس لیئے کہ احکام حالات زمانہ سے بدلتے رہتے ہیں اور درحقیقت حضرت عمر کا یہ فتوی خلاف قرآن و حدیث نہیں ہے۔ بلکہ قرآن و حدیث کی زمانی اصلاح ہے۔ قرآن نے بھی ہرج و ضرر کو باطل قرار دیا ہے۔ ہم شیعوں کا مذہب یہ ہے کہ ایسی عورت اگر لاوارث ہو تو حاکم شرع سے درخواست کرے وہ چار سال تحقیقات کرے گا۔ اور اس کے بعد طلاق دے دے گا عورت عدہ وفات رکھے گی۔ اگر زمانہ عدہ میں وہ آگیا تو خیر ورنہ اسے حق رجوع نہ ہوگا۔ عورت جس سے چاہے گی اپنا عقد کرلے گی۔ یہی مزہب ائمہ اہل بیت کا بھی ہے۔

مور بیع ام ولد جمہور مسلمین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ام ولد کی بیع و شرا کو حضرت عمر نے حرام قرار دیا ہے۔ ورنہ یہ چیز زمانہ رسالت اور عہد خلافت اول بلکہ عہدہ ثانی کی ابتداء تک مباح تھی۔ بعض حضرات نے تو اس امر کو حضرت عمر کے فضائل مین بھی شمار کیا ہے۔ (دیمقراطیہ خالد) (الطرق الحکمہ ص ۱۷ تاریخ الخلفاء ص ۵۳)

اگر کوئی شخص (ا) احادیث نبویہ میں چھان بین کرے گا تو اسے معلوم ہوجائے گا کہ یہ شئے زمانہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بھی حرام تھی اور حضرت عمر نے

انھیں روایات کا لحاظ کرتے ہوئے حرام کیا تھا۔ یہ کوئی خاص ایجاد طبع نہ تھی چنانچہ خود ابن عمر راوی ہے کہ حضرت نے ام ولد کی بیع ، ہبہ ، وقف ، میراث سب سے منع فرمایا تھا۔ آپکا حکم تھا کہ زندگی بھر آقا کے تصرف میں رہے اور اس کے بعد آزاد ہوجائے یہی بات ابن عباس کی روایت سے ظاہر ہوتی ہے۔ ان دونوں روایتوں کو شیخ طوسی نے کتاب خلاف میں نقل فرمایا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ یہ حرت عمر کا فعل ایجادی نہ تھا لیکن اس کے باوجود شیخ نے آئمہ اہل بیتؑ کے روایات کے پیش نظران دونوں روایتوں کی تاویل اس طرح فرمائی ہے کہ ان روایات سے مراد وہ صورت ہے کہ جب لڑکا زندہ رہے ورنہ اس کے مرجانے پر تو خرید و فروخت قطعا جائز ہے۔

مورد تیمم قرآن مجید میں دو آیتوں میں صریحی طور پر یہ حکم موجود ہے کہ اگر کسی محدث کو پانی نہ مل سکے تو اس کا فریضہ ہے کہ وہ تیمم کرکے نماز ادا کرے اس کے علاوہ اس باب میں بکثرت روایات بھی موجود ہیں بلکہ تمام امت اسلامیہ کا اجماع و اتفاق ہے لیکن اس کے باوجود قسطلانی نے ارشاد الساری میں نقل کیا ہے۔ کہ حضرت عمر نے ایسے شخص کو ترک صلوہ کا حکم دیا تھا۔ بخاری و مسلم دونوں میں یہ روایات موجود ہے۔ کہ ایک شخص نے حضرت عمر سے اس مسئلہ کا سوال کیا تو انھوں نے ترک صلوہ کا حکم دے دیا۔ عمار یاسر موجود تھے۔ انھوں نے ٹوک دیا۔ کیا یاد نہیں ہے کہ ایسے ہی موقع پر ہم نے زمین پر لوٹ کر نماز پڑھ لی تھی۔ اور تم نے ترک کردی تھی۔ تو حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہماری بات پسند فرما کر تیمم کا طریقہ تعلیم فرمایا تھا۔ حضرت عمر نے کہا عمار خدا سے ڈرو انھوں نے فرمایا کہ اگر تمہاری مرضی نہیں تو میں نہیں بیان کروں گا۔ حضرت عمر نے دھمکی دی۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ابن مسعود حضرت عمر کی رائے سے متفق تھے۔ چنانچہ بخاری (ا) ہمارا مقصد صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ حضرت عمر کے ماننے والوں ہی نے اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ وہ حکم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف حکم فرمایا کرتے تھے خواہ ان کا یہ اعتراف تاریخ کے موافق ہو یا مخالف۔ (مترجم)

وغیرہ نے شفیق سے روایت کی ہے وہ کہتا ہے کہ میں ابن مسعود اور ابو موسی کے پاس تھا کہ ایک مرتبہ ابوموسی نے یہی مسئلہ چھیڑ دیا ابن مسعود نے ترک نماز کا فتوی دیا تو اس نے کہا کہ پھر عمار کی روایت کا کیا حشر ہوگا انھوں نے کہا کہ عمر نے قبول نہیں کیا۔ اس نے کہا کہ اچھا آیت کا کیا انجام ہوگا۔ یہ سنکر ابن مسعود چپ ہوگئے! میرا خیال ہے کہ ابن مسعود اس اس فتوی میں حضرت عمر سے خائف تھے۔

مورد "نافلہ بعد عصر" (صحیح مسلم سنن نسائی ج ۱ ص ۲۸۱ مختصر کنزا لعمال ج ۳ ص ۱۵۹ بخاری ج ۱ ص ۱۱۸ طبع مکہ) میں حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ سرکار رسالت صلعم نے عصر کے بعد دو رکعت نماز زندگی بھر ترک نہیں کی دوسری روایت میں ہے کہ دو رکعت قبل فجر اور دو بعد عصر تیسری روایت میں حضرت عائشہ کی گواہی مذکور ہے لیکن ان تمام روایات کے باوجود حضرت عمر نے اسے ممنوع کردیا۔ اور اس پر لوگوں کی مرمت شروع کردی۔ امام مالک نے موطاء میں نقل کیا ہے کہ حضرت عمر نے مکندر کو اسی نماز پر مارا عبدالرزاق کی روایت کی بنا پر حضرت عمر نے زید بن خالد کو مارا تو اس نے حدیث پیش کی۔ انھوں نے فرمایا کہ میں اس لیئے مارتا ہوں کہ کہیں یہ سلسلہ نماز شب تک نہ پہنچ جائے۔ (زرقانی) تمیم رازی کی روایت میں یہ علت مذکور ہے۔ کہ اس طرح لوگ عصر سے مغرب تک نماز پڑھیں گے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس ساعت میں نماز ہونے لگے گی جس سے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ یعنی وقت غروب۔

کاش خلیفہ نے اس احتیاط کو منع تک محدود رکھا ہوتا اور اس طرح نماز گزار مسلمان آپ کے تازیانہ سے محفوظ رہ سکتے۔

مورد تاخیر مقام ابراہیم قرآن حکیم کا صریحی حکم ہے کہ مقام ابراہیم کو مصلی بناؤ۔ جس کی بنا پر حاجی حضرات آج تک اس کی قریب ہی نماز ادا کرتے ہیں۔ مقام ابراہیم وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہوکر آپ کعبہ کی دیواریں بلند کررہے تھے۔ آپ کے زمانہ میں یہ پتھر دیوار سے متصل تھا لیکن بعد میں عرب نے اسے الگ کردیا۔ حضرت

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر ملادیا۔ لیکن حضرت عمر نے زمانہ خلافت میں الگ کرکے پھر وہیں رکھ دیا۔ جہاں آج تک موجود ہے۔ (طبقات ابن سعد تاریخ الخلفاء ص ۵۳ ابن ابی الحدید ج ۳ ص ۱۱۳) (دمیری مادہ دیک ا ص ۳۴۶ ابن جوزی تاریخ عمر ص ۶۰)

۱۷ ہجری میں حضرت عمر نے مسجد حرام میں توسیع کرائی اور اس سلسلے میں کچھ مکانات خریدنے کا قصد کیا۔ ان لوگوں نے بیچنے سے انکار کردیا۔ تو آپ نے مکانات گروائے اور قیمت بیت المال میں جمع کرادی۔ آخر کار وہ لوگ آکر لے گئے۔

مورد گریہ برمیت کسی عزیز کی موت پر گریہ وزاری ان لوازم بشریت اور متقضیات رحمت میں ہے کہ جن سے ممانعت کرنا عقلا غیر مناسب ہے۔ جب تک کہ ان میں کوئی ناپسندیدہ فعل یا غیر مناسب قول کی آمیزش نہ ہو چنانچہ خود سرکار رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا کہ چشم و دل کے آثار کا تعلق اللہ سے ہے اور دست و زبان کی فریاد کا تعلق شیطان سے (مسند احمد ج ا ص ۳۳۵) مسلمانوں کی سیرت مستمرہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ اہل اسلام میں مرنے والے پر گریہ ایک عام امر تھا یہاں تک کہ خود حضرت صلعم نے بھی مختلف مواقع پر گریہ فرمایا ہے۔ ابن عبدالبر نے استیعاب میں تحریر کیا ہے کہ حضرت صلعم نے حضرت حمزہ کی لاش کی بے حرمتی دیکھ کر اتنا گریہ فرمایا کہ ہچکیاں بندھ گئیں۔

واقدی نے نقل کیا ہے کہ جیسے جیسے حضرت صفیہ کا گریہ بڑھتا تھا حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حالت متغیر ہوتی جاتی تھی۔ حضرت فاطمہؑ کا گریہ دیکھ کر حضرت صلعم مسلسل روتے تھے۔

انس راوی ہیں کہ جب جنگ موتہ میں اسلامی علمدار شہید ہورہے تھے تو حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس خبر کو مسلمانوں میں اس حالت سے نقل کررہے تھے کہ آپ صلعم کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے (بخاری ج ۲ ص ۱۱ طبع مکہ)۔

(استیعاب ج ا ص ۵۲۹) میں زید کے حالات میں یہ فقرہ درج ہے کہ حضرت صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زید و جعفر پر گریہ فرما کر یہ ارشاد فرمایا ہے۔ کہ یہ دونوں میرے بھائی اور میرے مونس تھے۔ بخاری جلد ۲ ص ۸۳ میں انس سے دوسری روایت ہے کہ ہم لوگ حضرت کی خدمت میں اس وقت حاضر ہوئے جب ابراہیم کا دم اکھڑا ہوا تھا۔ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ ابن عوف نے عرض کیا یا حضرت آپ اور یہ حالت؟ فرمایہ کہ یہ لازمہ انسانیت ہے! آنکھ گریاں ہوگی دل محزون ہوگا یہ اور بات ہے کہ ہماری زبان شکایت سے آشنا نہ ہوگی۔ اسامہ بن زید کہتے ہیں کہ حضرت صلعم کی ایک صاحبزادی نے یہ کہلا بھیجا کہ میرا فرزند عالم احتضار میں ہے۔ حضرت سعد بن عبادہ معاذ بن جبل ابی بن کعب اور زیب بن ثابت کے ہمراہ تشریف لائے کیا دیکھا کہ بچہ ایڑیاں رگڑ رہا ہے۔ یہ دیکھ کر آپ صلعم کی چشم مبارک سے آنسو جاری ہوگئے۔ حضرت سعد نے ٹوک دیا۔ آپ صلعم نے فرمایا یہ علامت رحمت ہے۔ اور اللہ بھی رحم دلوں ہی پر رحم کرتا ہے۔ (بخاری ج ۲ ص ۸۴ مسلم ج ۱ ص ۳۶۷)

ابن عمر راوی ہے کہ سعد بن عبادہ کسی مرض میں مبتلا ہوئے۔ جب حضرت صلعم ان کی عیادت کو تشریف لے گئے تو آپ کے ہمراہ ابن عوف ابن وقاص اور ابن مسعود بھی تھے۔ حالات کو دیکھ کر آپ صلعم نے سوال کیا کیا سعد کا انتقال ہوگیا؟ لوگوں نے عرض کیا نہیں۔ آپ صلعم نے گریہ شروع کردیا۔ اور آپ صلعم کے ساتھ سب رونے لگے۔ آپ صلعم نے فرمایا دیکھو آنکھوں کے آنسو اور دلوں کے حزن و الم پر کوئی عتاب نہیں ہوسکتا۔ عذاب تو صرف زبان کی زیادتی پر ہوتا ہے۔

استیعاب ج ۱ ص ۱۱۲ میں حضرت جعفر کے حالات میں مذکور ہے کہ جب حضرت جعفر کی شہادت کی اطلاع آئی تو حضرت اسماء کو تعزیت دینے تشریف لے گئے۔ ادھر حضرت فاطمہ زہرا علیہا سلام اللہ بھی آگئیں اور آکر انھوں نے رونا شروع کردیا۔ آپ صلعم نے فرمایا حقیقتاً جعفر جیسے اشخاص پر گریہ ہونا چاہیے۔ طبری ج ۲ ص ۲۱۰ ابن اثیر جلد ۲ ص ۱۱۳ ابن کثیر ابن عبدربہ ج ۳ ص ۱۶۸ وغیرہ نے اس روایت کا

ذکر کیا ہے کہ جنگ احد کے بعد تمام عورتوں نے اپنے وارثوں پر گریہ شروع کیا تو آپ صلعم نے یہ دیکھ کر فرمایا ہائے افسوس حمزہ کا رونے والا کوئی نہیں ہے۔ چنانچہ اس کے بعد یہ عالم تھا کہ ہر رونے والی عورت پہلے حضرت حمزہؓ کا ذکر کرتی تھی تب اپنے وارثوں پر روتی تھی۔ استیعاب ج ۱ ص ۲۷۴ نے واقدی سے نقل کیا ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان کے بعد سے کوئی عورت حضرت حمزہؓ پر روئے بغیر کسی دوسرے پر نہیں روئی۔ (البدایہ و النہایہ ج ۴ ص ۴۷)

نقد و نظر ان تمام اقوال کی روشنی میں یہ بات بڑی حد تک واضح ہوجاتی ہے کہ گریہ و بکا مسلمانوں میں ایک سنت جاریہ اور سیرت مستمرہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ رونے پر تنبیہ کی ہے اور اظہار افسوس فرمایا ہے۔ بلکہ حضرت جعفر کی شہادت پر رونے کا حکم بھی دیا ہے۔ لیکن افسوس کہ ان تمام روایات کے باوجود خلیفہ ثانی کی رائے یہی تھی کہ مردہ پر گریہ نہ کیا جائے۔ یہاں تک کہ وہ رونے والوں کی عصا اور پتھر سے تنبیہ فرماتے تھے۔ (بخاری ج ۲ ص ۸۴)

امام احمد نے ابن عباس کے حوالے سے حضرت رقیہ کے انتقال کا ذکر کیا ہے۔ اور اس میں نقل کیا ہے کہ حضرت عمر رونے والوں کی تنبیہ تازیانہ سے فرما رہے تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا انھیں رونے دو اور پھر آپ صلعم قبر کے کنارے بیٹھ گئے ادھر حضرت فاطمہؑ نے رونا شروع کردیا۔ آپ اپنے رومال سے آنسو خشک کرتے جاتے تھے۔ دوسری روایت میں ابوہریرہ سے مروی ہے کہ حضرت صلعم کے سامنے سے ایک جنازہ گزرا جس میں عورتیں رورہی تھیں۔ حضرت عمر نے انھیں جھڑک دیا تو آپ صلعم نے ٹوک کر فرمایا "رونے دو! ان پر مصیبت پڑی ہے لہٰذا آنکھ سے آنسو ضرور جاری ہوں گے"۔

اس مسئلہ میں حضرت عائشہ اور حضرت عمر متضاد رائے کے حامل تھے۔ حضرت عمر اور ابن عمر کی رائے تھی کہ رونے سے مرنے والے پر عذاب ہوتا ہے۔ اور

حضرت عائشہ کا خیال تھا کہ ان دونوں نے اشتباہ کیا ہے۔ خود قرآن کریم کا اعلان ہے ایک شخص کا بار دوسرا نہیں اٹھائے گا۔ تو کیا وجہ ہے کہ زندہ کے رونے سے مردہ پر عذاب ہو۔ ان دونوں کا یہ اختلاف شدت پکڑتا گیا۔ یہاں تک کہ جب حضرت ابوبکر کا انتقال ہوا تو حضرت عائشہ نے حسب دستور عرب رونے والیاں مقرر کردیں۔ جب حضرت عمر کو معلوم ہوا تو انھوں نے دروازہ پر آکر روکا۔ جب کسی نے سماعت نہ کی تو ہشام بن ولید کو حکم دیا کہ تم منع کرو۔ حضرت عائشہ نے اسے گھر میں داخل ہونے سے منع کیا۔ حضرت عمر نے حکم دیا کہ زبردستی گھر میں گھس جاو۔ چنانچہ وہ گھس کر ام فروہ کو پکڑ لایا اور حضرت عمر نے تازیانہ سے ان کی مرمت کردی (طبری ج ۲ ص ۱۶۴)۔

ہمارا دل چاہتا ہے کہ اس مقام پر ناظرین کو اس نکتہ کی طرف بھی متوجہ کردیں جس کی بنا پر حضرت فاطمہ علیہا السلام رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کے بعد آبادی سے باہر بقیع میں جاکر گریہ فرمایا کرتی تھیں۔ یہاں تک کہ جب لوگوں نے درخت کاٹ ڈالا تو جناب امیر علیہ السلام نے آپ کے لیئے ایک بیت الحزان تعمیر کردیا اور آپ نے اسی میں تا عمر گریہ فرمایا اور یہ عمارت مسلمانوں کے لے جائے زیارت بنی رہی۔ یہاں تک کہ ۸ شوال سنہ ۱۳۴۴ ہجری کو ابن سعود نے اسے منہدم کرادیا۔ اور اس طرح صدر اسلام کا مدعی حاصل ہوگیا۔

مورد قضیہ حاطب بخاری ج ۵ ص ۷۷ نے روایت کی ہے کہ ابوعبدالرحمن اور حبان بن عطیہ میں نزاع واقع ہوئی۔ ابوعبدالرحمن نے حبان سے کہا کہ میں جانتا ہوں کہ تمھارے ساتھی خونریزی پر اتنے جری کیوں تھے؟ اس نے کہا خدا تمھیں غارت کرے وہ کیا ہے؟ جواب دیا کہ ایک بات ہے جو کہ میں نے ان سے سنی ہے۔ پوچھا وہ کیا؟ اس نے کہا واقعہ یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زبیر ابو مرشد اور مجھے حکم دیا کہ فلاں باغ میں جاکر ایک عورت کے پاس حاطب کا خط ہے اسے لے آؤ۔ چنانچہ ہم لوگ پہنچے۔ ہم نے اس عورت سی سوال کی اجب اس نے

انکار کیا تو ہم نے تلاشی بھی لی لیکن جب کچھ برآمد نہ ہوا تو اس کو برہنہ کرنے کی دھمکی دی۔ اس نے وہ کاغذ دے دیا۔ ہم اسے لیئے ہوئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خدمت میں پہنچے۔ آپ صلعم نے حاطب سے مواخذہ کیا اس نے جواب دیا کہ میں نے یہ خط صرف اس لیئے لکھا تھا کہ مشرکین پر میرا احسان ہوجائے اور وہ مجھے اذیت نہ کریں۔ حضرت عمر نے کہا کہ یہ خیانت ہے ہم اسے قتل کریں گے۔ حضرت صلعم نے حاطب کے عذر کو قبول فرمالیا۔ لیکن حضرت عمر نے دوبارہ قتل کی دھمکی دی (البدیہ و النہایہ ۴ ص ۲۸۳)۔

سوال صرف یہ ہے کہ کیا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے بعد بھی قتل کی دھمکی ضروری تھی؟ کیا فیصلہ رسالت پر سکوت لازم نہ تھا؟

مورد شرائط قاصد امام مالک اور بزاز نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے روایت کی ہے کہ حضرت نے اپنے امراء کو دستور عنایت فرمایا کہ جب کوئی قاصد روانہ کیا کریں تو ایسا شخص ہو جس کا نام اچھا ہو اور صورت کے لحاظ سے بھی وجیہہ ہو۔ حضرت عمر کو غصہ آگیا بولے کہہ دوں کہ نہ کہوں۔ حضرت صلعم نے فرمایا کہو۔ کہنے لگے ہم کو فال سے منع کرتے ہیں اور خود بدشگونی کے قائل ہیں۔ حضرت صلعم نے فرمایا یہ بدشگونی کی بات نہیں ہے حسن انتخاب کی بات ہے۔ (حیوہ الحیوان دمیری مادہ ج ۲ ص ۳۱۸)

مورد تقسیم صدقہ امام احمد نے سلمان بن ربیعہ سے روایت کی ہے کہ ہم نے حضرت عمر سے یہ سنا ہے کہ حضرت صلعم نے ایک موقع پر صدقہ تقسیم کیا تو میں نے ٹوکا کہ ان لوگوں سے زیادہ حقدار افراد موجود ہیں۔ آپ صلعم نے فرمایا مجھے بخل و تعدی سے متہم نہ کرو۔ میں بخیل نہیں ہوں پھر آپ صلعم نے اپنی مشبت اور الٰہی مصلحت کے مطابق تقسیم فرمایا۔

مور ستر اسلام ابن عربی نے نقل کیا ہے کہ جب حضرت عمر اسلام لائے تو سرکار رسالت صلعم نے انھیں اظہار سے منع کیا۔ لیکن انھوں نے زبردستی اعلان

کردیا۔ (تاریخ فلسفہ اسلام لطفی ص ۳۰۱) اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس دور میں اسلام کا پوشیدہ رکھنا ہی زیادہ مناسب تھا اور مخفی دعوت ہی اسلام کے حق میں زیادہ مفید تھی لیکن اسے کیا کیا جائے کہ حضرت عمر کی شجاعت اس سے راضی نہ تھی۔

مورد حلیت مباشرت اسلام میں روزہ کے متعلق یہ حکم تھا کہ غروب کے بعد تمام مضطرات حلال ہوجاتے تھے۔ یہاں تک کہ نماز عشا ادا کرلی جائے یا انسان سوجائے اس کے بعد پھر تمام چیزیں دوسری شام تک کے لیئے حرام ہوجاتی تھیں لیکن حضرت عمر نے نماز عشا کے بعد اپنی محترمہ سے جماع کرکے غسل کیا اور پھر پشیمان ہوکر حضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے جب واقعہ بیان کیا تو بہت سے اصحاب نے ایسی ہی حرکت کا اعتراف کیا۔ اس وقت حکم نازل ہوا کہ اس امر میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ عورتیں تمھارا لباس ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو۔ طلوع فجر تک جملہ لذات مباح ہیں۔ اس کے قبل کی خطاوں کو معاف کیا جاتا ہے۔ اگرچہ آیت نے معافی کا ذکر کردیا ہے لیکن ہمارا موضوع تو مخالفت حکم الٰہی کا بیان کرنا ہے۔ (اسباب النزول ص ۳۳)

مورد تحریم خمر قرآن حکیم نے شراب کی حرمت کا ذکر تین مرتبہ نافذ کیا ہے۔ پہلے پہل یہ آیت نازل ہوئی۔ "اے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے کہہ دو کہ شراب میں منافع ہیں لیکن اس کا گناہ زیادہ ہے"۔ اس کے بعد مسلمانوں نے شراب ترک کردی لیکن بعض پیتے رہے۔ یہاں تک کہ ایک شخص نے حالت نشہ میں نماز میں بکواس شروع کردی تو دوسری ایک آیت نازل ہوئی کہ حالت نشہ میں نماز جائزہ نہیں ہے۔ اس کے بعد بھی بعض لوگ اپنی عادت پر باقی رہے چنانچہ بعض اخبار میں وارد ہوا ہے کہ حضرت عمر نے شراب پی اور حالت نشہ میں ابن عوف کو زخمی کردیا۔ اور اس کے بعد کفار بدر کا نوحہ پڑھنا شروع کردیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر ملی تو آپ غصہ میں باہر نکلے اور آپ نے حضرت عمر کو سخت تنبیہ کی۔ اس پر حضرت عمر نے رسالت کے غصہ سے پناہ مانگی اور آیت نازل ہوئی کہ شیطان

شراب و قمار کے ذریعہ مسلمانوں میں عداوت پھیلانا چاہتا ہے۔ اور اس کا مقصد ہے کہ لوگ ذکر خدا سے غافل ہوجائیں کیا واقعتاً تم لوگ غافل ہوجاو گے یہ سنکر حضرت عمر نے کہا بس بس (مستطرف ج ۲ ربیع الابرار ز فخشری تفسیر رازی اشارہ)

مورد قتل عباس جنگ بدر کے موقع پر عین عالم حرب میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشارہ فرمایا کہ بہت سے لوگ کفار کی ساتھ مجبورا شریک ہوگئے ہیں لہٰذا تم لوگ بنی ہاشم ابوالبختری اور عباس کو قتل مت کرنا یہ لوگ مجبور کرکے میدان میں لائے گئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ بنی ہاشم کے ذکر کے بعد حضرت عباس کا تذکرہ اس امر کی اہمیت کو ظاہر کرتا ہے کہ حضرت عباس بالکل مجبور تھے۔ جب حضرت گرفتار ہوکر آئے تو حضرت صلعم کی نیند اڑگئی۔ لوگوں نے سوال کیا۔ فرمایا کہ چچا قید میں رہے اور میں سو جاوں۔ یہ سنکر لوگوں نے حضرت عباس کو رہا کردیا۔ کنزالعمال سے یہ روایت نقل ہے کہ جب حضرت عباس گرفتار ہوئے تو حضرت عمر نے انھیں باقاعدہ کس کر باندھنا چاہا۔ انھوں نے کہا کہ یہ اس طمانچہ کا جواب ہے جو تم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں کھا چکے ہو۔ لیکن انھوں نے کوئی توجہ نہ کی۔ جب حضرت کو حضرت عباس کے کراہنے کی آواز پہنچی تو آپ صلعم نے سونا ترک کردیا یہاں تک کہ حضرت عباس کو چھوڑ دیا گیا۔ اصحاب رسول پر یہ بات بالکل واضح تھی کہ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عباس کا بے حد خیال رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ جب ابوحذیفہ کی یہ گفتگو حضرت صلعم تک پہنچی کہ ہم اپنے آباو اقرباء کو قتل کریں اور حضرت عباس کو چھوڑ دیں یہ نہیں ہوسکتا تو حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غیظ آگیا۔ اور آپ نے حضرت عمر کو غیرت دلائی کہ تمھاری موجودگی میں میرا چچا قتل ہوگا۔ (البدیہ االنہایہ ج ۳ ص ۲۸۵) ادھر جنگ کا خاتمہ ہوا ادھر ستر آدمی گرفتار کرکے لائے گئے۔ یہ دیکھنا تھا کہ حضرت عمر کو غیظ آگیا اور کہنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم انھیں قتل کریں گے۔ انھوں نے آپ کی مخالفت کی ہے۔ آپ مجھے فلاں شخص کے بارے میں اور حضرت علیؑ کو عقیلؑ کے بارے میں اور

حضرت حمزہ کو حضرت عباس کے بارے میں اجازت دیتے کہ ہم ان سب کو قتل کردیں۔

اقول اے سبحان اللہ! ابھی تو مخالفین کے قتل کی تحریک تھی اور اب حضرت عقیل و عباس کی نوبت آگئی جنھوں نے حضرت صلعم کے ساتھ شعب ابوطالب کی زحمتیں برداشت کیں اور میدان بدر میں زبردستی لائے گئے۔ تعجب تو یہ ہے کہ حالت حرب میں ان کے قتل کی ممانعت ہوگئی تھی۔ اور اب بعد جنگ ان کے قتل کا تقاضا ہورہا ہے جبکہ حضرت عباس کا اسلام قبل ہجرت تاریخی مسلمات میں سے ہے۔

مورد "فدیہ بدر" جب اسلام جنگ بدر میں فتحیاب ہوا اور کفار گرفتار کیے گئے تو لوگوں نے حضرت کی طرف سے یہ محسوس کیا کہ آپ ان نتائج کے پیش نظر جو بعد کو ظاہر ہونے والے ہیں انھیں معاف کردیں گے لیکن حضرت صلعم نے معاف کرنے کے ساتھ ان پر فدیہ مقرر کردیا تاکہ ان کی جان بچ جائیگی اور ان کا ایمان حضرت عمر کا خیال تو یہی تھا کہ ان سب کو قتل کردیا جائے۔ اس لیئے کہ ان لوگوں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکذیب کی اور مخالفت کی ہے۔ لیکن حضرت صلعم نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ ہم تابع وحی الٰہی ہیں۔ ہمارا کوئی اختیار نہیں ہے۔ اس کے بعد حضرت نے فدیہ لے کر ان سب کو آزاد کردیا۔ تو جاہل مسلمانوں کو یہ کہنے کا موقع مل گیا کہ یہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اجتہاد تھا۔ ورنہ حضرت عمر کی رائے حالات کی پیش نظر زیادہ بہتر تھی۔ چنانچہ اس پر یہ روایت حضرت عمر کی طرف سے وضع کی گئی کہ جب حضرت عمر کے پاس آئے تو کیا دیکھا کہ آپ اور حضرت ابوبکر رورہے ہیں۔ سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ مجھے خوف ہے کہ کہیں عمر کی مخالفت کی بنا پر عذاب نہ نازل ہوجائے تو ان پر یہ آیت نازل ہوئی "رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بغیر جہاد کیے اسیروں کا اختیار نہیں ہے تم دنیا کو آخرت پر مقدم کرتے ہو اور اللہ آخرت کو اگر حکم الٰہی سابق نہ ہوگیا ہوتا تو اب تک عذاب نازل ہوگیا ہوتا"۔ افسوس صد افسوس صاحب "ما ینطق عن الھوی" کی طرف اجتہاد کی نسبت اور اس اہتمام کے

ساتھ کہ حضرت صلعم نے بغیر جہاد کئے اسیروں پر اپنا حکم چلا دیا۔ تا کہ فدیہ مل جائے اور اس طرح دنیا کو آخرت پر مقدم کردیا۔ **لاحول ولا قوہ الا باللہ** ۔

کیا اتنا عظیم معرکہ بدر جہاد نہ تھا؟ کیا ستر روسا قریش کا قتل جنگ میں شمار نہیں کہ جسکے بعد مسلمان یہ کہتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بغیر جنگ و جدل اسیروں پر حکم نافذ کردیا۔ اے کاش یہ مسلمان اسلام کی لاج رکھتے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ کہ جو اونٹوں کو جہاد پر مقدم کرتے تھے۔ جس کا مشہور واقعہ یہ ہے کہ حضرت نے اپنے اصحاب سے مشورہ کیا کہ وہ لوگ مختلف اونٹوں پر سوار ہوکر نکلے ہیں۔ اب تمھارا کیا خیال ہے؟ اونٹ چاہتے ہو یا جنگ لوگوں نے اونٹ کو مقدم کیا بلکہ بعض لوگوں نے تو جنگ پر اصرار دیکھ کر یہاں تک کہہ دیا کہ ہمیں پہلے کیوں نہ بتایا تھا ہم جنگ کے لے تیار ہوکر آتے ہم تو اونٹ کی فکر میں آئے تھے نہ کہ لڑنے کے فکر میں۔ چنانچہ اس وقت آیت شریفہ نازل ہوئی۔۔۔۔ جس طرح کہ تمھارے رب نے تمھیں گھر سے نکال دیا اس وقت جبکہ مومنین کی ایک جماعت اسے ناپسند کرتی تھی۔ گویا کہ یہ لوگ موت کی طرف زبردستی لے جائے جارہے ہیں۔

اس وقت خالق عالم نے چاہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عذر کو واضح کردے چنانچہ اس نے فرمایا کہ کسی نبی کو بھی اس وقت تک اسیروں پر تسلط نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ شدید جنگ نہ کرے اس لیئے نبی جہاد پر مجبور ہے۔ لیکن تم لوگ مال دنیا کے طالب ہو اور اللہ آخرت کا خواہاں ہے اور وہی عزیز و حکیم ہے۔ یاد رکھو کہ اگر اللہ نے اپنے علم ازلی کی بنا پر تم کو منع نہ کردیا ہوتا اور تم اونٹوں پر قبضہ کرلیتے تو عذاب عظیم میں گرفتار ہوجاتے۔ یہ ہے آیت کا صحیح و صریح مفہوم جس کو بظاہر مجھ سے پہلے آج تک کسی نے نہیں بیان کیا اور نہ اس صریح مطلب کے بعد کسی انسان کو مزید تاویل کا حق ہے۔

مورد قضیہ حنین جب جنگ حنین میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو

ہوازن پر فتح حاصل ہوئی۔ تو آپ نے اعلان فرمادیا کہ ان کے گرفتار شدگان کو قتل نہ کیا جائے۔ لیکن حضرت عمر کی نظر ابن اکوع پر پڑگئی جو سابقا بنی ہذیل کی طرف سی جاسوسی کررہا تھا۔ تو انھوں نے حکم دے دیا کہ اسے قتل کردیا جائے مسلمانوں نے قتل کردیا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر ملی تو بہت ناراض ہوئے اور لوگوں کی مذمت فرمائی۔ (ارشاد مفید)

اس کے بعد جمیل بن معمر کو قتل کردیا گیا تو حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مزید غیظ و غضب کا اظہار فرمایا۔ انصار نے معذرت کی کہ ہم نے یہ سب حضرت عمر کے حکم سے انجام دیا ہے۔ حضرت صلعم نے یہ سنکر منہ پھیرلیا یہاں تک کہ عمیر بن وہب نے معافی طلب کی اس کے علاوہ ایک عورت کو خالد بن ولید نے قتل کردیا تو حضرت نے فرمایا کہ خالد کو اطلاع کر دو کہ کسی عورت بچہ یا مزدور کو قتل کرنے کا حق نہیں ہے۔ (ابن اسحاق)

اسی روایت کو ایک معمولی فرق کے ساتھ امام احمد (البدایہ و النہایہ ج ۴ ص ۳۳۷) ابوداود نسائی اور ابن ماجہ نے بھی نقل کیا ہے۔

مورد فرار قرآن مجید کا صریحی حکم ہے کہ جنگ شروع ہونے کے بعد کسی مسلمان کو میدان جنگ سے علیحدہ ہونے کا حق نہیں ہے لیکن مسلمانوں نے اپنے مصالح کی بنا پر آیت میں تاویل کرلی اور صرف ایک جنگ میں نہیں بلکہ مختلف معرکوں میں جنکی تفصیل یہ ہے:۔

احد۔ جبکہ ابن قمئہ نے مصعب بن عمیر پر حملہ کرکے انھیں رسول تصور کرکے قتل کردیا اور یہ اعلان کردیا کہ محمد صلعم قتل ہوگئے تو اصحاب نے فرار شروع کردیا یہاں تک کہ قرآن کو کہنا پڑا ـــــ تم لوگ پہاڑ پر بھاگ رہے تھے اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمھیں پکار رہے تھے لیکن تم مڑکر بھی نہیں دیکھتے تھے۔ طبری ج ۲ ص ۱۹۴ کامل ج ۲ ص ۱۱۰ نے نقل کیا ہے کہ بھاگنے والوں میں حضرت عثمان بھی تھے۔ یہ مقام اعوص تک بھاگ کر گئے اور تین روز کے بعد پلٹے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم نے دیکھ کر فرمایا اچھی دوڑ لگائی انھیں تاریخوں مین یہ واقعہ بھی ہے کہ انس بن نفر نے مہاجرین کی ایک جماعت جن میں حضرت عمرو طلحہ بھی تھے ان کو سپر انداختہ دیکھ کر پوچھا کہ یہ سستی کیوں ہے۔ تو انھوں نے جواب دیا کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو قتل ہوگئے۔ یہ سن کر حضرت انس نے کہا تو پھر اب زندگی کا کیا لطف؟ اور یہ کہہ کر حملہ کردیا یہاں تک کہ ستر زخم کھا کر شہید ہوگئے۔ آپ کے زخموں کا یہ عالم تھا کہ آپ کی لاش کو بہن نے انگلیوں کے ذریعہ پہچانا۔

بعض لوگوں کا کہنا ہی کہ اس جماعت کے لوگ یہ بھی کہہ رہے تھے کہ کاش ہمارے لیئے کوئی ابوسفیان سے امان لے لیتا۔ اور وہ ہمیں قتل نہ کرتے۔ چنانچہ یہ سنکر انس کو غیظ آگیا اور فرمایا کہ اگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قتل ہوگئے ہیں تو رب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زندہ ہے اور یہ کہہ کر بارگاہ احدیت میں ان خرافات سے اظہار نفرت کیا اور پھر جہاد کرکے شہید ہوئے۔

حنین۔ جبکہ مسلمانوں کو اپنی کثرت پر ناز تھا لیکن یہ کثرت کام نہ ائی اور سب بھاگ گئے۔ (البدایہ و النہایہ ج ۴ ص ۳۳۲) تو اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اس کے سچے اصحاب کے لیے سکون نازل کیا۔ بخاری کا کہنا ہے کہ بھاگنے والوں میں حضرت عمر بھی تھے۔ اور جب ان سے پوچھا گیا کہ انجام کیا ہوگا تو فرمایا کہ اللہ جانے۔

خیبر۔ جبکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر کو روانہ کیا اور وہ .سلامتی واپس چلے آئے (مستدرک حاکم) پھر حضرت عمر کو بھیجا اور وہ بھی بھاگ آئے اس طرح کہ وہ قوم کو بزدل بتارہے تھے اور قوم انھیں (مستدرک حاکم) بروایت جابر تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمادیا کہ کل علم دوں گا۔ پھر جب تمام قوم جمع ہوگئی تو آپ نے حضرت علی کو بلا کر حکم جہاد دیا۔ انھوں نے آشوب چشم کا ذکر کیا آپ نے لعاب دہن سے علاج فرمایا انھوں نے سوال کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کب تک جنگ کروں؟ فرمایا جب تک کلمہ نہ پڑھیں۔ غرض اس

طرح آپ تشریف لے گئے اور فاتح بن کر واپس آئے۔ حاکم کا کہنا ہے کہ شیخین بخاری و مسلم نے اس طریقہ حدیث کو ترک کردیا ہے۔ حالانہ یہ طریق صحیح ہے۔

ایاس کہتے ہیں کہ مجھ سے میرے پدر بزگوار نے بیان کیا کہ جب حضرت علی کو روانہ کیا ہے تو میں موجود تھا۔ ادھر مرحب نے رجز پڑھا کہ اہل خیبر مجھے خوب پہچانتے ہیں۔ میں ایک تجربہ کار اور جنگ آزما بہادر ہوں اور ادھر حضرت علی نے جواب دیا کہ میں وہ ہوں جس کا نام اس کی ماں نے حیدر رکھا ہے۔ اور پھر اس کے بعد وار کرکے مرحب کا سر شگافتہ کردیا اور اس طرح اسلام فاتح و مظفر قرار پایا۔ (مستدرک حاکم)

غزوہ سلسلہ۔ جبکہ حضرت صلعم نے حضرت ابوبکر و عمر کو مثل خیبر روانہ کیا اور دونوں حضرات بھاگ آئے تو آپ صلعم نے حضرت علیؑ کو بھیجا اور وہ فتح کرکے مال غنیمت سمیت واپس آئے۔ اس جنگ کے تفصیلی حالات شیخ مفید نے ارشاد نقل کیے ہیں۔ یہ یاد رہے کہ یہ جنگ سنہ ۷ ہجری کی جنگ ذات السلاسل نہیں ہے جس میں سردار لشکر عمرو بن عاص تھا اور لشکری حضرت عمرو ابوبکر و ابوعبیدہ وغیرہ۔

جس کا مشہور واقعہ یہ ہے کہ عمرو نے آگ روشن کرنے سے منع کیا تو حضرت عمر کو غصہ آگیا اور قریب تھا کہ وہ سردار ہی پر حملہ کر بیٹھتے کہ دفعتاً حضرت ابوبکر نے روک دیا اور فرمایا کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ سوچ کر عمرو کر سردار بنایا ہے۔ (مستدرک حاکم روایت صحیحہ)

تنبیہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی کے فضائل و مناقب بیان کرنے میں ایسے دقیق و نطیف طریقے اختیار فرمائے ہیں۔ جنھیں ایک ذی ہوش اور باشعور انسان ہی سمجھ سکتا ہے۔ چنانچہ آپ نے کسی شخص کو بھی حضرت علی پر حاکم نہیں بنایا۔ جبکہ حضرت ابوبکر و عمر وغیرہ پر عمرو بن عاص اور اسامہ جیسے اصحاب کو حاکم بنایا ہے۔ پھر اگر کسی جنگ میں دو سردار بناتے تو حضرت علی کو الگ کردیا اور ان کی فوج الگ ترتیب دی۔ جیسا کہ یمن میں ہوا یا انھیں بعد میں روانہ کیا جیسا کہ خیبر

مین ہوا۔ کبھی ایسا ہوا کہ پہلے دوسرے افراد کو بھیج دیا اور جب وہ ناکام پلٹے تو حضرت علیؑ کو روانہ کیا تاکہ دونوں کا معیار شجاعت نمایاں ہوجائے۔ اس طرح کہ اگر وہ لوگ پہلے نہ جاتے تو ان کا کمال شجاعت تشنہ اظہار رہ جاتا۔ انتہا یہ ہے کہ اگر کبھی کسی کو بمصلحت روانہ بھی کردیا تو بعد میں بنص ظاہری پھر واپس بلالیا۔ تاکہ دنیا پر تبلیغی ذمہ داریوں کے حامل کا تعارف واضح طریقہ پر ہوجائے۔

مورد جواب ابوسفیان رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روز احد ۷۰۰ مجاہدین کے ساتھ جن میں ۲۰۰ زرہ پوش اور ۲۰۰ سوار تھے پہاڑ کی طرف پشت کرکے وادی میں قیام فرمایا۔ ادھر مشرکین تین ہزار کی تعداد میں تھے۔ جن میں ۷۰۰ زرہ پوش ۲۰۰ سوار اور ۱۵ عورتیں بھی تھیں۔ جب طرفین آمادہ جنگ ہوئے تو حضرت نے پہاڑ کی طرف ۵۰ تیر انداز فوجیوں کو عبداللہ بن جبیر کی سرکردگی میں یہ کہہ کر معین کردیا کہ ہم فتح کریں یا شکست کھائیں تم اپنی جگہ نہ چھوڑنا اس لیے کہ خطرہ اسی راہ سے ہے۔ ادھر طلحہ بن عثمان سردار لشکر کی حیثیت سے نکل کر رجز خواں ہوا کون ہے جو اپنی تلوار سے مجھے واصل جہنم کرے یا میری تلوار سے خود جنت حاصل کرے"۔

ابن اثیر لکھتا ہے کہ یہ سنکر حضرت علیؑ نے حملہ کیا اور اس کے پیر کاٹ دیے۔ وہ گر کہ برہنہ ہوگیا اور طلب رحم کرنے لگا۔ آپ اسے چھوڑ کر ہٹ آئے۔ ادھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نعرہ تکبیر بلند کرکے مسلمانوں میں نعروں کی بنیاد ڈال دی۔ یہاں تک کہ میدان تکبیر سے گونجنے لگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب امیر علیہ السلام سے سوال کیا کہ اس کو قتل کیوں نہیں کیا؟ عرض کیا کہ اس نے طلب مرحمت کی۔ اس کے بعد آپ نے تمام علمداروں کو تہ تیغ کرنا شروع کردیا یہاں تک کہ پرچم کفر کا حامل کوئی نہ رہا۔ اور ایک عورت نے اسے بلند کیا یہ دیکھ کر صواب نے علم لے لیا اور اس کے زیر سایہ قتل ہوگیا۔ ابو رافع کا قول ہے کہ جملہ علمداروں کے قاتل حضرت علیؑ تھے۔ اس کے علاوہ حضرت حمزہ حضرت علیؑ اور حضرت ابودجانہ کی پامردی اور شجاعت کا اثر یہ تھا کہ مشرکین شکست کھا کر

بھاگ نکلے اور مسلمان لوٹ مار میں مشغول ہو گئے۔ ادھر کمانداروں نے یہ منظر دیکھا تو ان کے منہ میں پانی آگیا۔ اور محاذ چھوڑ کر ٹوٹ پڑے اور اس طرح مشرکین کو موقع مل گیا۔ خالد بن ولید نے سب کو جمع کر کے دوبارہ حملہ کردیا اور اس قدر شدید مقابلہ ہوا کہ خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رخسار مبارک مع پیشانی زخمی ہوگیا۔ دندان مبارک شہید ہو گئے۔ حضرت حمزہ قتل ہو گئے لیکن اس کے باوجود جناب امیرؑ پانچ انصار کے ساتھ مصروف جہاد رہے۔ حضرت ابودجانہ اپنے کو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سپر بنائے رہے۔ یہاں تک کہ ابن قمئہ نے مصعب کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شبہ میں قتل کر کے آپ کے قتل کا اعلان کردیا۔ اور مسلمانوں میں پھوٹ پڑگئی۔ کعب بن مالک نے آپ کو پہچان کر اعلان کردیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحیح و سالم ہیں۔ آپ نے اشارے سے منع کردیا۔ حضرت علی نے آپ کو بحفاظت سعب تک پہنچادیا۔ طبری ج ۲ ص ۱۹۷ کامل ج ۲ ص ۱۰۷ میں یہ واقعہ درج ہے کہ حضرت صلعم نے ایک جماعت کو دیکھ کر حضرت علی کو حکم جہاد دیا۔ انھوں نے اس کا خاتمہ کردیا تو آپ صلعم نے دوسری جماعت کی طرف اشارہ کیا۔ انھوں نے اسے بھی ختم کیا تو جبرئیلؑ نے مبارکباد دی کہ واقعاً یہ مواسات و ہمدردی ہے آنحضرت نے فرمایا کیوں نہ ہو وہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں۔ حضرت جبرئیل نے کمال مسرت سے عرض کیا اور میں آپ دونوں سے ہوں۔ اس وقت یہ آواز غیبی سنی گئی **"لا سیف الا ذوالفقار و لا فتےٰ الا علی"**

حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زخموں کو دیکھ کر جناب امیر علیہ السلام نے پانی لا لا کر انھیں دھونا شروع کیا اور جب خون منقطع نہ ہوا تو حضرت فاطمہ علیہا السلام نے ٹاٹ کا ٹکڑا جلا کر اس کی راکھ سے خون کا سلسلہ بند کیا اسی عالم میں ہند اپنی ہم جولیوں کو لے کر شہداء کی لاشوں پر ٹوٹ پڑی اور ان کے ٹکڑے ٹکڑے کرنا شروع کردیئے۔ یہاں تک کہ حضرت حمزہ کے اجزاء بدن کا ہار بلایا اور آپ کا کلیجہ نکال کر چبایا ادھر ابوسفیان نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلاش جاری

کردی۔ حضرت نے اصحاب کو منع فرمایا کہ کوئی پتہ نہ بتائے لیکن جب اس نے حضرت عمر سے سوال کیا تو انھوں نے بتادیا (طبری ج ۲ ص ۲۰۵ کامل ج ۲ ص ۱۱۱ طبقات ، سیرت حلبی ، دحلانی ، البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۲۵)۔

یہی وہ منزل تھی کہ جہاں حضرت عمر نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رائے کو اپنے مخصوص مصالح و نظریات کی بنا پر ٹھکرادیا اور ابوسفیان کو آپ کی حیات کی اطلاع دے دی۔

مورد تجسس قرآن مجید اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صریحی حکم ہے کہ مسلمانوں کے لے عیب جوئی بد ظنی اور غیبت جیسے افعال حرام و ناجائز ہیں۔ لیکن اس کے باوجود حضرت عمر نے اپنے زمانہ خلافت میں اپنے لیئے ان تمام عیوب کو جائز و حسن بنالیا۔ چنانچہ ایک شب آپ اسلامی جاسوسی میں نکلے تو ایک مکان سے گانے کی آواز سنی آپ دیوار پر چڑھ گئے تو کیا دیکھا کہ ایک عورت بھی ہے اور شراب بھی۔ آپ نے فورا تحدید کی کیا سمجھتے ہو کہ معصیت چھپ جائی گی؟ اس نے جواب دیا ہرگز نہیں میں نے ایک گناہ کیا اور آپ نے تین۔ قرآن نے تجسس سے منع کیا ہے دروازے سے آنے کا حکم دیا۔ داخلہ کے وقت سلام مقرر کیا۔ اور آپ نے سب کی خلاف ورزی کی۔ یہ سن کر آپ اسے معاف کرکے باہر نکل آئے۔ (مکارم الخلاق خرائطی ۔ کنزا لعمال ج ۲ ص ۱۶۷ ابن ابی الحدید ج ۳ ص ۹۶ احیاء العلوم)

سدی نے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر ابن مسعود کے ساتھ رات کے وقت نکلے تو ایک روشنی نظر آئی۔ اس کے سراغ میں چلے۔ یہاں تک کہ ایک گھر میں داخل ہوگئے تو معلوم ہوا کہ ایک چراغ جس کے زیر سایہ ایک ضعیف العمر انسان ایک مغیہ اور جام شراب ہے۔ وہ متوجہ نہ تھا کہ آپ نے اعتراضات کی بھرمار کردی۔ اس نے عرض کیا اور حضور کے لے تجسّس کب جائز تھا کہ آپ بلا اجازت گھس آئے۔ آپ روتے ہوئے باہر نکل آئے۔ اس نے ایک عرصہ تک آپ کے یہاں حاضر ہونا ترک

کردیا ایک دن چھپ کر آیا اور اور گوشہ میں بیٹھ گیا آپ کی نظر پڑ گئی۔ تو آپ نے قریب بلایا اور فرمایا کہ میں نے تیرے واقعہ کو ابن مسعود تک سے نہیں بیان کیا ہے کہ جو اس وقت میرے ساتھ تھے۔ (التقطع والسرقہ کنزا لعمال ج ۲ ص ۱۴۱)

شعبی کہتے ہیں کہ حضرت عمر نے ایک دن اپنے ایک صحابی کو نہیں دیکھا تو ابن عوف سے فرمایا کہ چلو اس کے گھر چلیں۔ جب دونوں وہاں پہنچے تو کیا دیکھا کہ دروازہ کھلا ہوا ہے اور اس کی عورت ایک برتن میں کچھ انڈیل رہی ہے۔ آپ نے فرمایا انھیں چیزوں نے حاضری سے غافل کردیا ہے ابن عوف نے کہا آپ کو کیا معلوم کہ یہ کیا ہے؟ فرمایا تو کیا میں نے تجسّس کیا عرض کیا جی ہاں۔ فرمایا پھر توبہ۔ لیکن اب کسی کو اطلاع نہ ہو۔ (کنزا لعمال ج ۲ حدیث نمبر ۳۶۹۴)

مسور بن مخزمہ ابن عوف سے ناقل ہیں کہ وہ ایک دن حضرت عمر کے ساتھ شب گردی میں نکلے تو ایک چراغ نظر آیا جب اس کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ ایک گھر سے آوازیں بلند ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ ربیعہ بن امیہ کا مکان ہے اور سب شراب میں مشغول ہیں۔ ابن عوف نے کہا اور یہ تو تجسّس ہے فرمایا واپس چلو۔ (مکارم الاخلاق)

ابو قلابہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر کو یہ خبر پہنچی کہ ابو محجن اپنے گھر میں شراب پی رہا ہے۔ آپ فورا وہاں پہنچے اور کچھ کہنا چاہتے تھے کہ اس نے اعتراض کردیا یہ تو تجسّس ہے۔ آپ نے زید بن ثابت اور عبدالرحمن ابن ارقم سے تصدیق چاہی انھوں نے تصدیق کردی اور آپ پلٹ آئے۔ (کنزا لعمال ج ۲ ص ۱۴۱)

اقول ان تمام روایات کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ حضرت عمر سیاسیات میں کس قدر ماہر تھے اور آپ تنظیم امت کے لیئے کس قدر زحمتیں برداشت کیا کرتے تھے اور گویا کہ آپ کی نظر میں حاکم کا گناہ مجرم کی سزا کو ساقط کردیا کرتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے اپنی ندامت کے بعد کسی پر حد جاری نہیں فرمائی اور میرا خیال ہے کہ اس کمال تنظیم کا اتنا اثر تو ضرور ہوا ہوگا کہ مسلمان معصیت پر بڑی حد

تک جری ہوگئے ہوں گے۔ جیسا کہ واقعات کی کثرت سے اندازہ ہوتا ہے۔

مورد مغالات مہر مہر کا مشہور اسلامی قانون یہ ہے کہ اسے مرد مسلم کی ملکیت کے قابل ہونا چاہیے۔ خواہ مال ہو یا منفعت مقدار کی تعیین کا اختیار خود طرفین کو ہے۔ البتہ مستحب یہ ہے کہ مہر سنت سے زائد نہ ہو۔ اور لازم یہ ہے کہ اتنا کم نہ ہو کہ مالیت سے خارج ہوجائے۔

لیکن حضرت عمر نے اپنے زمانہ خلافت میں ازدواجی زندگی کی سہولت اور نسل مسلم کی کثرت کا لحاظ کرتے ہوئے منبر پر یہ اعلان کیا کہ آج کے بعد سے جس کا مہر ازواج (ا) رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ ہوگا اس کا مہر چھین لیا جائے گا۔ اتفاقا درمیان سے ایک ضعیفہ کھڑی ہو کر عرض کرنے لگی کہ جناب کو یہ حق نہیں ہے۔ قرآن کا حکم ہے کہ جو مال دے دیا ہے اسے واپس نہ لو یہ سنکر آپ نادم ہوئے اور قوم سے مخاطب ہوکر فرمانے لگے تمھیں تعجب نہیں ہوتا ہے کہ امام خطا کرے اور عورت اس کی اصلاح کرے۔ (ابن ابی الحدید وغیرہ)

کشاف کے الفاظ یہ ہیں " تمھیں کیا ہوگیا ہے کہ میری باتیں سن کر خاموش رہتے ہو اور عورتیں ٹوک دیتی ہیں معلوم ہوتا ہے کہ سب ہی عمر سے بہتر ہیں"۔

امام رازی کا بیان ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ تمام انسان عمر سے زیادہ واقف ہیں اور یہ کہہ کر اپنا حکم واپس لے لیا۔

اقول آپ کے عدل و انصاف اور عدم تشدد کے ایسے واقعات تاریخ میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ جہاں آپ نے اپنی غلطی کا اعترف کرلیا ہو بلکہ بسااوقات اس پر اظہار مسرت بھی فرمایا ہے چنانچہ بخاری ج ۹ ص ۹۵ میں یہ واقعہ درج ہے کہ ایک مرتبہ سرکار رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑے بے ربط سوالات کیے گئے۔ تو آپ صلعم نے فرمایا۔ کہ اچھا اب پوچھو۔ ابن حذافہ نے سوال کیا کہ میرا باپ کون

(ا) میرا خیال یہ ہے کہ خلیفہ ثانی کا یہ نظریہ بھی عقدام کلثوم کے افسانہ کو باطل قرار دیتا ہے کہ جس میں مہر کی مقدار ہزاروں درہم بیان کیا گئی ہے۔ (مترجم)

ہے؟ فرمایا حذافہ۔ ابن سالم نے بھی یہی سوال کیا۔ فرمایا سالم۔ بظاہر ان لوگوں کا مقصد دوسروں پر تعریض کرنا تھا۔ چنانچہ حضرت عمر بھانپ گئے۔ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غصہ سے توبہ کرنے لگے اور ان لوگوں کے نسب کی صحت پر خوش بھی ہوئے۔

صحیح مسلم میں یہ ہے کہ ابن حذافہ کسی دوسرے کی طرف منسوب تھا۔ اس کی ماں کو اس سوال کی اطلاع ملی تو بگڑ کر بولی۔ کہ تو مجھے سردربار رسوا کرنا چاہتا تھا۔ یہ سنکر حضرت عمر نے خدا کا شکر کیا کہ اس نے بہت سی عورتوں کا پردہ رکھ لیا۔

مورد تبدیل حد شرعی فجر الاسلام ص ۲۳۸ میں یہ واقعہ اعلام الموقعین کے حوالہ سے اس طرح درج کیا گیا ہے کہ حاطب بن بلتعہ کے غلاموں نے مزینہ کے ایک شخص کے ناقہ کو چرالیا۔ جب ان لوگوں کو گرفتار کرکے حضرت عمر کے پاس حاضر کیا گیا تو آپ نے ان کے اقرار کی بنا پر کثیر بن الصلت کو حکم دیا کہ ان کے ہاتھ قطع کردے۔ لیکن اس کے بعد انھیں واپس بلالیا اور حاطب کے فرزند کو بلا کر تنبیہ کی کہ اگر تم نے ان بیچاروں کو بھوکا نہ مارا ہوتا تو ہرگز سرقہ نہ کرتے خیر اب ان کا تاوان تم سے وصول کروں گا۔

اقول یہ بات کسی حد تک صحیح ہے کہ قحط و فاقہ کے حالات میں سرقہ کا شرعی اثر ختم ہوجاتا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ خلیفہ کے پاس اس کا کیا ثبوت تھا! جبکہ خود مجرم اقرار کررہا تھا کیا یہ تنبیہ و جرمانہ مجرم کے جرم کو سبک بناسکتے ہیں؟

مورد دیہ غیر مشروع واقعہ یہ ہے کہ ابو خرہش بذلی کی پاس یمن کے کچھ مہمان وارد ہوگئے وہ مشک لے کر تیزی سے گیا کہ ان کے لیے پانی لے آئے۔ اتفاقا راستہ میں ایک سانپ نے ڈس لیا لیکن اس کے باوجود اس نے پانی پہنچا دیا اور اس واقعہ کا اظہار نہیں کیا۔ جب وہ لوگ سوگئے اور صبح کو اٹھے تو دیکھا کہ ابو خرہش زہر کے اثر سے انتقال کرچکا ہے۔ حضرت عمر کو یہ خبر پہنچائی گئی۔ آپ نے فرمایا کہ اگر مہمانی سنت نہ ہوتی تو میں اہل یمن کی مہمانی کو ممنوع کردیتا اور سارے عالم میں اس کا اعلان

کرادیتا۔ اس کے بعد آپ نے اپنے عامل کو حکم دیا کہ مہمانوں سے ابو خرہش کی دیت وصول کرے اور ان کو سخت سزادے (استیعاب ج ۴ ص ۵۸ احوال ابو خرہش حیوہ الحیوان ج ۱ ص ۲۸۱ مادہ حیہ)

مورد حد غیر مشروع ابن سعد نے طبقات میں یہ واقعہ سند معتبر سے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ برید حضرت عمر کے پاس آئے تو ان کے سامان سے ایک پرچہ گرگیا۔ آپ نے اٹھا کر پڑھا تو اس میں چند اشعار درج تھے جن کا مفہوم یہ تھا کہ کوئی ابو حفص کو خبر کردے کہ جعدہ ہماری لڑکیوں سے خوش فعلیاں کرتا ہے اور اس طرح ان کی آبروریزی کرنا چاہتا ہے۔ آپ نے یہ دیکھ کر جعدہ کو طلب کیا اور اس کو سو کوڑے لگادیے۔

اقول کیا صرف ایسے اشعار جن کا شاعر تک نامعلوم ہو حد شرعی کا باعث بن سکتے ہیں؟ اور کیا تنہا خوش فعلی و مزاح زنا کے کے احکام میں داخل ہوسکتے ہیں؟ ان سوالات کی ذمہ داری خلیفہ وقت کی گردن پر ہے کاش اسی قانون کو مغیرہ بن شعبہ پر نافذ کیا ہوتا۔

مورد احسان بر مغیرہ غالبا کوئی تاریخ ایسی نہیں ہے کہ جس نے سنہ ۱۷ ہجری کے واقعات میں مغیرہ کا واقعہ نقل نہ کیا ہو۔ لیکن ہم اس واقعہ کو ابن خلکان کی زبانی نقل کرتے ہیں:۔

"حضرت عمر بن خطاب نے مغیرہ کو بصرہ کا امیر قرار دیا۔ تو اس کا دستور یہ تھا کہ روزانہ دوپہر کے وقت باہر نکلتا تھا ایک مرتبہ ابوبکرہ نے ٹوکا کہ یہ شان امیر کے خلاف ہے تو ایک ضرورت کا بہانہ کردیا اور اس سلسلہ کو جاری رکھا اتفاقا ایک دن ابوبکرہ اپنے بھائیوں کے ساتھ حجرہ میں بیٹھا ہوا تھا اور اس کے سامنے ام جمیل کا حجرہ تھا ہوا سے دروازہ کا پردہ ہٹ گیا تو کیا دیکھا کہ ام جمیل مغیرہ کے نیچے ہے۔ اس نے ان بھائیوں کو گواہ بنالیا اور جب وہ باہر نکلا تو اسے اپنے مشاہدہ کی اطلاع دی وہ مسجد کی طرف چلاگیا۔ ابوبکرہ نے اعلان کیا کہ یہ امامت کی لائق نہیں ہے لیکن قوم نے اس

کی اقتداء کرلی اور حضرت عمر کو اطلاع دی۔ انہوں نے لوگوں کو طلب کیا اور شہادت چاہی۔ ابوبکرہ نے بیان کیا کہ میں نے واقعہ یوں دیکھا ہے کہ سرمہ دانی میں سلائی۔ آپ نے قبول کرلیا اس کے بعد نافع کو بلایا۔ اور ان سے جرح کی لیکن انھوں نے اصرار کے ساتھ یہی شہادت دی پھر شبل کو بلایا۔ اس نے بھی صراحتا یہی بیان کیا اتفاقا زیاد وہاں موجود نہ تھا۔ جب وہ بلایا گیا تو مغیرہ نے اس سی فریاد کی اور اسے کچھ اشارات بھی مل گئے۔ چنانچہ اس نے کہا مین صرف اتنے کا شاہد ہوں کہ یہ اوپر تھا اور وہ نیچے۔ سانس کے چڑھنے اور ٹانگوں کے اٹھنے کا منظر نگاہوں کے سامنے تھا اس کے بعد کا ذمہ دار نہیں ہوں۔ بس یہ سننا تھا کہ آپ نے مغیرہ کو حکم دے دیا کہ تینوں کو تازیانے لگائے۔ چنانچہ اس نے سب کو ۸۰ ۔ ۸۰ کوڑے لگائے۔ ابوبکرہ نے اس کے بعد پھر کہ میں زنا کا شاہد ہوں، آپ نے چاہا کہ پھر کوڑے لگائیں لیکن حضرت امیر نے ٹوک کر فرمایا کہ اب مغیرہ کا نمبر ہے۔ حضرت عمر نے ابوبکرہ کو توبہ کا حکم دیا اس نے کہا کہ توبہ گواہی کی قبولیت کے لیئے ہوتی ہے اور اب میں گواہی نہ دوں گا۔ عمر بن شیبہ نے ذکر کیا ہے کہ ابوبکرہ کی ماں نے ایک بکری ذبح کرکے ان کی پشت پر اس کی کھال باندھ دی اس لیئے کہ بے حد زخمی ہوگئے تھے، عبدالرحمن ابن ابی بکرہ کہتے ہیں کہ میرے باپ نے زیاد سے بات نہ کرنے کی قسم کھالی تھی۔ یہاں تک کہ وصیت بھی کردی کہ ابوہریرہ نماز جنازہ پڑھیں وہ بصرہ سے کوفہ چلاگیا اور مغیرہ نے شکریہ کے ساتھ اس کا احترام کیا۔ ایک دن اتفاقا ام جمیل حضرت عمر کے پاس آئی اس وقت جبکہ مغیرہ بھی موجود تھا آپ نے پوچھا اسے جانتے ہو؟ کہا یہ ام کلثوم ہے۔ فرمایا جھوٹ بولتا ہے۔ خدا کی قسم ابوبکرہ نے غلط نہیں کہا تھا۔ اور مجھے تو یہ خوف ہے کہ کہیں آسمان سے پتھروں کی بارش نہ ہوجائے۔ ابوا سحق رازی نے بھی اس واقعہ کو مجمل طور پر نقل کیا ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ فقہاء کے درمیان حضرت علی کا قول محل اختلاف ہے۔ ابونصر بن صباغ کا کہنا ہے کہ حضرت کا مطلب یہ تھا کہ ابوبکرہ کا دوسرا قول اگر تکرار ہے تو حد جاری ہوچکی اور اگر قول جدید ہے تو مغیرہ پر حد

جاری ہونے کا نصاب پورا ہوگیا۔

اقول اس واقعہ کو حاکم نے مستدرک میں ذہبی نے تلخیص میں اور دیگر اہل تراجم نے حضرات مذکورین کے حالات میں اجمالاً یا تفصیلاً ضرور نقل کیا ہے۔

مورد تشدد بر جبلہ بن ایہم واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمر کے پاس قبیلہ عک و جفنہ کے ۵۰۰ سوار جبلہ کی سرکردگی میں سبک رو گھوڑوں پر سوار ہو کر آئے جن پر زر بفت کے زین کسے ہوئے تھے۔ اور انھوں نے اسلام قبول کیا۔ ان کے اسلام سے مسلمانوں میں مسرت کی ایک لہر دوڑ گئی۔ پھر وہ لوگ اسی سال حج کے لیے گئے۔ اتفاقاً اثناء طواف میں ایک شخص کا پیر جبلہ کی چادر پر پڑگیا اور وہ کھل گئی۔ انھوں نے ایک طمانچہ ماردیا تو اس نے حضرت عمر سے فریاد کی۔ آپ نے حکم دیا کہ یا تو اسے راضی کرو یا قصاص پر تیار ہوجاو۔ اور پھر اس حکم پر اتنی شدت سے کام لیا کہ رات ہوتے ہی وہ سب بھاگ کر قسطنطنیہ ہرقل کی پناہ میں چلے گئے۔ اور اسلام سے مرتد ہوگئے۔ جبلہ اس امر پر گریاں تھے کہ مجھ سے اسلام ترک ہوگیا۔ لیکن حالات نے اسے مجبور کردیا تھا۔

اقول کاش خلیفہ نے اس شخص کو خود ہی راضی کرلیا ہوتا اور اتنی شدت نہ فرماتے۔ کہ قوم کو اسلام سے روگردانی کرنا پڑے۔ لیکن آپ کا واضح مقصد یہ تو تھا کہ ہر صاحب عزت کو ذلیل کردیا جائے اور اس طرح اپنا وقار قائم کیا جائے۔ چنانچہ خالد کے سلسلے میں آپ کا موقف واضح ہوچکا ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ جو آپ کے تابع رہا اس پر آپ نے یہ سختیاں نہیں فرمائیں۔ جیسا کہ مغیرہ کے واقعہ میں ذکر کیا جاچکا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کی سیاست کا اعلی نمونہ یہی حرکات تھے جن سے آپ نے قلوب عامہ میں جگہ حاصل کرنے کی کوشش کی تھی کبھی ابو شحمہ و ام فروہ کی مرمت کردی اور کبھی جعدہ و منیلح و نصر و ابوذیب و ابوہریرہ جیسے مساکین پر ہاتھ صاف کردیا تاکہ عوام کے دلوں پر رعب چھا جائے اور کسی کو دم مارنے کی جرات نہ ہوسکے۔ اس کے علاوہ طعام و شرب لباس و مکان میں اتنی سادگی سے کام لیا کہ دنیا آج تک آپ

کے زہد کا کلمہ پڑھ رہی ہے۔ حالانکہ اس زہد کے باوجود معاویہ کو اس کے افعال و کردار میں مکمل آزادی دے رکھی تھی جس کا سبب اہل نظر پر واضح ہے۔ اس واقعہ کو عقد الفرید ج ا ص ۲۶۰ اور اغانی میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

مورد تشدد بر ابو ہریرہ سنہ ۲۱ ہجری میں ابو ہریرہ کو آپ نے والی بحرین بنایا۔ اور پھر سنہ ۲۳ ہجری میں معزول کرکے حضرت عثمان بن ابوالعاس کو حاکم بنایا۔ ابو ہریرہ سے مزید دس ہزار کا مطالبہ اس بنیاد پر کیا کہ یہ تم نے بیت المال سے چرائے ہیں۔ چنانچہ بقول عقد الفرید ج ا ص ۳۴ ان کو بلا کر کہا میں نے تم کو اس وقت والی بنایا تھا جب تمھارے پیر میں جوتیاں نہ تھیں اور اب سنا ہے کہ ۱۶۰۰ دینار کے گھوڑے خرید لیئے ہیں۔ یہ سب کہاں سے آئے؟ انھوں نے عرض کیا کہ کچھ جانوروں کی پیدائش کا نتیجہ ہے اور کچھ مومنین کا عطیہ فرمایا تمھیں یہ سب رکھنے کا حق نہیں ہے واپس کرو۔ انھوں عرض کیا کہ جناب کو مانگنے کا بھی حق نہیں ہے۔ آپ کو غصہ آگیا۔ اور تازیانہ سے اس زور سے مارا کہ خون نکل آیا۔ اور اس کے علاوہ ماں کی گالی سے بھی سرفراز فرمایا۔ دوسری روایت کی بنا پر آپ نے دشمن خدا و قرآن کے لقب سے بھی نوازا۔ اور ان تمام حوادث کے بعد بھی ابو ہریرہ نے آپ کے لیئے نماز میں استغفار کیا۔ (ابن ابی الحدید ج ۳ ص ۱۰۴ طبقات ج ۴ ص ۹۰ اصابہ ج ۴ ص ۲۰۷ حالات ابو ہریرہ)

مورد تشدد بر سعد بن ابی وقاص آپ نے حضرت سعد کو کوفہ کا حاکم بنایا اور جب آپ کو اطلاع ملی کہ وہ عوام سے الگ رہتا ہے تو آپ نے محمد بن مسلمہ کو بلا کر حکم دیا کہ سعد کے گھر کو آگ لگا دو اور اسے گرفتار کرلاو۔ محمد نے ایسا ہی کیا سعد نے گھر سے نکل کر پوچھا یہ کیا ہے؟ کہا یہ امیرالمومنین کی احتیاط و دانشمندی ہے۔ (الفرق الحکمتیہ ص ۱۶)

مورد تشدد بر خالد جس زمانہ میں حضرت خالد قنسرین کا حاکم تھا اشعث بن قیس نے اس سے رقم کا مطالبہ کیا۔ اس نے ۱۰ ہزار کی اجازت دے دی جب آپ کو خبر ہوئی تو آپ نے ابوعبیدہ حاکم حمص کو لکھا کہ خالد کو معزول کردو اور اسے ایک پیر پر کھڑا کرکے مجمع میں اس سے رقم کے بارے میں سوال کرو۔ اگر اس نے یہ رقم اپنے پاس سے دی تو اسراف ہے اور اگر بیت المال سے ہے تو خیانت۔ دونوں صورتوں میں وہ مستحق عتاب ہے ابوعبیدہ نے حضرت خالد کو بلا کر جامع مسجد میں یہ عمل انجام دیا۔ جب اس نے اپنے ذاتی مال کا حوالہ دیا تو اس کی ٹوپی واپس کردی پیر کھول دیئے اور اس کا احترام کیا۔ لیکن اسے معزولی کا حکم نہیں سنایا وہ چند روز متحیر رہا آخرکار حضرت عمر کا خط پہنچا کہ تم معزول کردیے گئے ہو لہٰذا وہاں سے ہٹ جاو۔ (عبقریۃ عمر عقاد ص ۲۴۵)

مورد ضرب ضبیع تمیمی ایک شخص نے آپ کو خبر دی کہ ضبیع تمیمی لوگوں سے آیات قرآن کی تفسیر پوچھتا ہے آپ نے دعا کی خدایا مجھ سے ملا دے اتفاقا وہ آگیا اور اس نے آپ سے بھی والذاریات ذروا کی تفسیر معلوم کرلی۔ آپ نے تازیانہ سے اتنی مرمت کی کہ اس کا عمامہ گرگیا۔ اس کے بعد گرفتار کرایا اور روزانہ اس کو ۱۰۰ تازیانہ لگانے کا دستور قائم کردیا۔ یہاں تک کہ ایک دن اونٹ بٹھا کر بصرہ روانہ کردیا اور ابو موسی کو حکم دیا کہ لوگوں سے کہہ دو کہ اس کا بائیکاٹ کردیں۔ یہ غلط طریقہ سے علم طلب کرتا ہے چنانچہ وہ تمام عمر اسی قوم میں ذلیل رہا جس کا پہلے سردار تھا۔ (ابن ابی الحدید ج ۳ ص ۱۲۲ الفرق الحکمتیہ ص ۱۶)

مورد شہر بدری نصر بن حجاج عبداللہ برید راوی ہے کہ ایک شب حضرت عمر نے اثناء گردش میں ایک گھر سے کسی مغنیہ کی آواز سنی جو اپنے خاص لہجہ میں گنگنا رہی تھی۔ "اے کاش شراب ک رسائی ہوجاتی یا نصر بن حجاج تک" آپ نے فرمایا کہ یہ تو زندگی بھر نہ ہوسکے گا۔ اور صبح ہوتے ہی نصر کو طلب کرلیا۔ کیا دیکھا کہ نہایت ہی شکیل و جمیل انسان ہے۔ فرمایا کہ اس کے بال سر پر الٹ دیے جائیں۔ بالوں کے الٹنے سے پیشانی کھل گئی تو چہرہ اور باوجاہت ہوگیا۔ اب فرمایا کہ سر پر عمامہ رکھا جائے۔ ظاہر ہے کہ اس عمل سے رونق اور بڑھ گئی۔ تو فرمایا کہ اسی حسن پر عورتیں مرتی ہیں۔ تو اب تجھے اس شہر میں رہنے ہی نہ دوں گا۔ یہ کہہ کر اس کو بصرہ کی طرف روانہ کردیا۔ اس نے وہاں سے خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا "کہ اس کے شعر کا ذمہ دار میں نہیں ہو سکتا میرے آباو اجداد بزرگ اور میں ایک پاکباز انسان ہوں"۔ لیکن آپ نے کوئی عذر قبول نہ فرمایا۔ یہاں تک کہ جب آپ نے رحلت فرمائی تب وہ دوبارہ مدینہ میں داخل ہوا۔ (ابن ابی الحدید ۳ ص ۹۹ الطرق الحکمتیہ ص ۱۶)

مورد ضرب ابو شحمہ آپ کی بیٹے ابو شحمہ نے عمرو بن العاص کے زمانہ حکومت میں شراب پی انہوں نے بلا کر بال ترشوا کر حد جاری کرائی جس کے شاہد خود عبداللہ بن عمر تھے۔ اس کے بعد حضرت عمر کو لکھا کہ میں نے بلا رعایت تمام شرائط کے ساتھ عبداللہ کے سامنے حد جاری کردی ہے لیکن حسب الحکم ابو شحمہ کو بلا کجاوہ اونٹ پر بٹھا کر روانہ کررہا ہوں چنانچہ ابن عمر بھائی کو لے کر باپ کے پاس پہنچے۔ اب ابو شحمہ کی حالت مرض تازیانہ اور تکان سفر سے غیر ہوچکی تھی۔ لیکن آپ نے دیکھتے ہی بگڑنا شروع کردیا اور تازیانہ طلب کرلیا۔ ابن عوف نے عرض کیا کہ حضور اس پر حد جاری ہوچکی ہے۔ آپ نے اس کی ایک نہ سنی اور تازیانوں کا سلسلہ شروع کردیا۔ ابو شحمہ نے فریاد کی ابا! آپ تو مجھے مارے ڈال رہے ہیں۔ میں بیمار ہوں آپ نے بلا تامل واتمام کرکے اسے ایک مہینہ تک قید کردیا یہاں تک کہ وہ راہی عدم ہوگیا۔

سوال یہ ہے کہ عمرو عاص اگر احکام خداوندی کے بارے میں قابل وثوق و اعتماد

شخص تھا تو آنجناب نے دوبارہ کیوں زحمت فرمائی اور اگر اس کی بات یا قسم کا اعتبار نہ تھا تو اسے اتنے مسلمانوں کا حاکم اور حدود الہیہ کا مالک و مختار کیسے بنادیا۔ کیا شریعت اسلامیہ میں مریض پر حد جاری ہوسکتی ہے؟ کیا حد جاری ہونے کے بعد بھی انسان مستحق قید رہتا ہے۔ ہیہات ہیہات

درحقیقت یہ ہے خدا پرستی کے مقابلے میں نفس پرستی (شرح النہج ج ۳ ص ۱۲۳ و ۱۲۷ استیعاب ج ۲ ص ۳۹۵ حیوہ الحیوان ج ۱ ص ۳۴۶ ابن الجوزی باب ۷۷)

مورد قطع شجر حدیبیہ یہ وہ درخت تھا جس کے نیچے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں سے وہ بیعت رضواں لی تھی کہ جس کے اثر سے اسلام کو فتح مبین نصیب ہوئی تھی۔ چنانچہ اسی بنا پر اکثر مسلمان تبرکا اس مقام پر نماز پڑھنے لگے تھے۔ یہاں تک کہ آپ کو خبر لگ گئی فرمانے لگے اب اگر کوئی نماز پڑھے گا تو اس کی گردن قلم کردوں گا۔

سبحان اللہ! کل جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ذوالخویصرہ کے قتل کا حکم دیا تھا تو آپ نے فرمایا تھا کہ نمازی کا قتل جائز نہیں ہے اور آج نمازیوں پر تلوار علم ہورہی ہے۔ آہ! آہ! یہی وہ تخم ریزی تھی جس کا نتیجہ آج اہل نجد حاصل کررہے ہیں چنانچہ اب ہر جگہ نماز حرام ہورہی ہے۔ کل آپ نے حجر اسود سے فرمایا تھا کہ تیرے بوسے میں کوئی فائدہ نہیں ہے آج اہل حجاز ضریحوں کے بوسے کو حرام کررہے ہیں۔ اور اس طرح شعائر اللہ کی تعظیم کا عظیم ثواب مسلمانوں کے ہاتھوں سے جارہا ہے۔ کاش آپ کی نظر اس شعر پر ہوتی۔

فما حب الدیار شغفن قلبی

ولکن حب من سکن الدیارا

(شرح النہج جلد ۱ ص ۵۹)

مورد شکایت ام ہانی طبرانی نے کبیر میں نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ جناب ام ہانی نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شکایت کی کہ حضرت عمر کہتے ہیں کہ

محمد (ا) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمھارے کام نہ آئیں گے۔ تو آپ غصہ میں بھر آئے اور باعلان فرمانے لگے ان لوگوں کو کیا ہوگیا ہے کہ میری شفاعت کا میرے اقرباء کے بارے میں انکار کرتے ہیں۔ حالانکہ میری شفاعت صاء و حکم کہ جو مجھ سے بعید النسب قبائل ہیں انھیں بھی فائدہ دے گی۔ بعینہ یہی واقعہ جناب صفیہ کا بھی ہے۔ ان سے بھی حضرت عمر نے یہی کہ دیا تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز کے اجتماع میں لوگوں کو تنبیہ کی تھی اور فرمایا تھا کہ میری قرابت دنیا و آخرت دونوں میں کام آئے گی۔ (ذخائر العقبی اطبری)

مورد یوم نجوی یہ وہ فضیلت ہے کہ جس میں امیرالمومنین کا شریک نہ کوئی فاروق ہے نہ صدیق نہ فقیر ہے نہ غنی جس کا اعتراف تمام مفسرین نے کیا ہے۔ چنانچہ حاکم نے مستدرک میں بھی حضرت امیر کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اس آیت نجوی پر مجھ سے پہلے کسی نے عمل کیا ہے اور نہ میرے بعد۔ انداز آیت بتاتا ہے کہ لوگ صدقہ سے ڈر گئے تھے اور اس طرح آیت کو ان کے گناہ کی معافی دینا پڑی۔ مگر افسوس کہ فخر رازی نے امیرالمومنینؑ کی عداوت میں یہاں تک لکھ ڈالا کہ صدقہ دینے سے غریب کی دل شکنی تھی اور امیر کے لیے مشقت پھر باہمی چشمک کا بھی اندیشہ تھا اس لیے صدقہ نہ دینا ہی بہتر تھا۔ تاکہ اسلامی اتحاد و مساوات برقرار رہ سکے۔

اے کاش یہی معیار زکوہ و حج کے بارے میں بھی فرمایا ہوتا تاکہ تمام مسلمانوں کو فرصت مل جاتی بلکہ کاش یہ بھی فرمادیا ہوتا کہ دین سے انسانوں میں اختلاف عقائد پھیلتا ہے۔ لہٰذا بے دین ہونا ہی بہتر ہے۔ **لاحول ولا قوہ الا باللہ العلی العظیم**

مورد امارت معاویہ یہی وہ رعایت تھی کہ جس نے دین خدا کو تماشہ اور بندگان خدا کو غلام بنادیا۔ اسلام کو قیصریت و کسرویت کا دوسرا روپ اور شریعت محمدی

(ا) جائے حیرت ہے خود خلیفہ ثانی تو قرابت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بیکار تصور فرماتے ہیں اور ان کے چاہنے والے قرابت قائم کرنے کے لئے عقدام کلثوم کی داستان وضع کرتے ہیں۔ (مترجم)

کو باز بچہ اطفال قرار دے دیا۔ آزادی اور ایسی آزادی کہ کسروی جاہ و جلال کو بھی دیکھ کر فرما دیا کہ میں کوئی امر و نہی نہیں کرتا ہوں تجھے اختیار ہے چنانچہ اسی اختیار کا نتیجہ تھا کہ بنی امیہ حکام اسلام بنے اور امیرالمومنینؑ نفس رسول پر حملہ کیا گیا۔ **فاللہ و انا الیہ راجعون**

مورد غفلت و جہالت رجم حاملہ۔ محمد بن مخلد عطار نے موائد میں اس واقعہ کو نقل کیا ہے۔ کہ حضرت عمر نے ایک زن حاملہ کو زنا کے جرم میں سنگسار کا حکم دیدیا۔ تو معاذ نے ٹوکا کہ اگر اس نے خطا کی ہے تو اسکے بچہ کی کیا خطا ہے؟ چنانچہ آپ نے اپنے حکم کو باطل کردیا اور فرمایا کہ عورتیں معاذ کا مثل پیدا کرنے سے قاصر ہیں۔ اگر معاذ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہوجاتا۔

۲۔ مستدرک حاکم میں یہ واقعہ درج ہی کہ حضرت عمر نے ایک مجنون عورت کے سنگسار کا حکم دے دیا۔ تو حضرت علیؑ نے ٹوکا کہ شرع اسلام میں مجنون و نابالغ و نائم سے احکام مرتفع ہیں چنانچہ انھوں نے حکم ترک کردیا ظاہر ہے کہ یہ واقعہ پہلے حادثہ سے مختلف ہے۔ اس لیئے کہ وہاں جنون کا کوئی ذکر نہ تھا اور یہاں سارا اعتراض جنون ہی پر ہے۔ اس موضوع پر قاضی عبدالجبار "صاحب المغنی" اور علم الہدی سید مرتضیٰ "صاحب الشافی" میں کافی بحثیں ہوئی ہیں۔ جنھیں ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ ج ۳ ص ۵۰ پر نقل کیا ہے۔

۳۔ امام احمد نے مسند میں یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ حضرت عمر کے پاس ایک زاینہ عورت لائی گئی۔ تو آپ نے سنگسار کا حکم دے دیا۔ جناب امیر نے لوگوں سے چھڑالیا۔ حضرت عمر کے پاس شکایت گئی تو آپ کو طلب کیا۔ آپ غصہ میں تشریف لائے اور فرمایا کہ کیا بقول رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صغیر و مجنون و نائم احکام سے مستثنیٰ نہیں ہیں؟ انھوں نے اعتراف کیا۔ فرمایا کہ اس کا جنون تو مشہور ہے۔ ممکن ہے کہ وقت عمل بھی رہا ہو تو حد کیسے جائز ہوگی؟

۴۔ ابن قیم نے "الطرق الحکمیہ فی السیاستہ الشرعیہ" میں نقل کیا ہے کہ حضرت عمر کے

پاس ایک زانیہ کو لایا گیا تو انھوں نے سنگسار کا حکم دے دیا۔ جناب امیرؑ نے ٹوکا کہ شائد اس کے پاس کوئی عذر ہو لہٰذا تحقیق کرو۔ چنانچہ اس سے سوال کیا گیا تو اس نے بیان کیا کہ میں پیاسی تھی۔ ایک شخص سے پانی طلب کیا۔ اس نے بدنیتی کا مظاہرہ کیا میں نے حتی الامکان صبر کیا جب صبر سے مجبور ہوگئی تو اس عمل پر تیار ہوگئی۔ آپ نے فرمایا۔ اللہ اکبر تو تو بنص قرآن مستثنیٰ ہے۔ اسی واقعہ کو بیہقی نے سنن میں درج کیا ہے۔

۵۔ ابن قیم نے یہ واقعہ بھی درج کیا ہے کہ ایک عورت حضرت عمر کے پاس آئی اور اس نے زنا کا اقرار کیا پھر اس کے شواہد ذکر کیئے اور پھر اقرار کیا۔ یہ سنتے ہی حضرت امیر نے فرمایا کہ اس کا انداز بیان ظاہر کررہا ہے کہ یہ حرمت زنا سے واقف نہ تھی۔ چنانچہ اس بیان پر حد ختم کردی گئی۔ (ابن قیم کہتے ہیں کہ یہ حضرت علی کی کمال فراست و دانش مندی پردال ہے)

۶۔ احمد امین نے فجر الاسلام ص ۲۳۷ میں یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ حضرت عمر کے پاس ایک شخص کے قتل کا معاملہ پیش ہوا کہ جس میں ایک عورت اور ایک مرد کا ہاتھ تھا۔ انھوں نے اظہار تردد کا۔ حضرت علی نے فرمایا کہ اگر ایک سرقہ میں دو شریک ہوں تو کیا ہاتھ قطع نہ ہوں گے؟ بولے ہاں۔ فرمایا۔ بس یہی حکم یہاں بھی جاری ہوگا چنانچہ حضرت عمر نے اپنے عامل کو یہ حکم لکھ کر روانہ کردیا۔

۷۔ ابن ابی الحدید وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر نے ایک عورت کو بعض سوالات کے لیے طلب کیا تو شدت رعب سے اس کے یہاں اسقاط ہوگیا۔ آپ کو تردد پیدا ہوا۔ اور آپ نے فقہاء سے مسئلہ پوچھا سب نے کہہ دیا کہ کوئی حرج نہیں ہے۔ جناب امیر نے فرمایا کہ اگر یہ حکم رعایتاً صادر ہوا ہے تو دھوکا ہے۔ اور اگر اجتہادی ہے تو غلط ہے۔ لہٰذا ایک غلام آزاد کرنا فرض ہے۔ چنانچہ سب نے اس پر عمل کیا (شاید صدر اسلام میں وضع حمل کا اس سے بہتر نسخہ نہ رہا ہوگا۔ مترجم)

۸۔ حاکم نے مستدرک میں نقل کیا ہے کہ قدامہ بن مظعون نے شراب پی تو اسے حضرت عمر کے پاس حاضر کیا گیا۔ انھوں نے حد جاری کرنے کا قصد کیا۔ اس نے کہا کہ یہ خلاف قرآن ہے۔ وہاں تو یہ حکم ہے کہ ایمان و عمل صالح والوں کے لیئے کھانے میں کوئی روک ٹوک نہیں ہے۔ میں مومن متقی اور مجاہد ہوں یہ سن کر حضرت عمر خاموش ہوگئے اور لوگوں سے مشورہ کرنے لگے۔ ابن عباس نے حرمت شراب کی آیت سے استدلال کرتے ہوئے کہا کہ کیا مرتکب حرام متقی ہوسکتا ہے؟ اس پر حضرت عمر نے استفتاء کیا انھوں نے ۸۰ کوڑوں کا فتوی دیا اور وہ لگائے گئے۔

۹۔ ابن قیم نے یہ واقعہ بھی نقل کیا ہے کہ ایک عورت کو انصار کے ایک جوان سے عشق ہوگیا۔ اس نے ہزار سعی کی لیکن وہ راضی نہ ہوا۔ اس عورت نے ایک انڈا لے کر اس کی زردی نکال کر سفیدی اپنے جسم و لباس پر مل لی اور حضرت عمر کے پاس فریاد لیکر آئی کی فلاں نے میری آبروریزی کی ہے۔ حضرت عمر نے اس پر حد جاری کرنے کا قصد کیا۔ اس نے فریاد شروع کردی اور تفتیش حال کی خواہش کی۔ مسئلہ حضرت علی کے پاس پیش ہوا۔ آپ نے گرم پانی منگا کر لباس کو اس میں ڈال دیا سفیدی جم گئی اور بدبو سے اندازہ لگالیا گیا کہ انڈا ہے۔ پھر اس کی تنبیہ پر اس نے خود بھی اعتراف کرلیا۔ (الطرق الحکمیہ ص ۴۸)

۱۰۔ ابن قیم ہی نے یہ واقعہ بھی نقل کیا ہے کہ دو آدمیوں نے ایک عورت کے پاس ۱۰۰ دینار امانت اس شرط سے رکھے کہ کسی ایک کو تنہا واپس نہ کرے۔ ایک سال کے بعد ان میں سے ایک آیا اور اس نے دوسرے کی موت کا بہانہ کرکے رقم طلب کی اس نے حسب شرائط انکار کیا لیکن اس شخص نے مختلف وسائل و ذرائع سے حیلہ حوالہ کرکے حاصل کرلیا۔ دوسرے سال دوسرا آیا۔ اس نے واقعہ بیان کردیا تو اس شخص نے حضرت عمر کے پاس محاکمہ کی درخواست دے دی۔ انھوں نے حکم کرنا چاہا۔ عورت نے عرض کیا کہ مجھے حضرت علی کے پاس لے چلو۔ چنانچہ وہاں پہنچا۔ آپ نے فرمایا کہ تیری شرط یہ تھی کہ مال تنہا نہ لے گا۔ لہٰذا اپنے ساتھی کو لے آ اور مال

واپس لے لے۔

۱۱۔ امام احمد نے مسند میں یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ حضرت عمر کو تکیات نماز کے مسئلہ میں شک ہوگیا۔ انھوں نے اپنے غلام سے سوال کیا۔ ابھی یہ گفتگو ہوہی رہی تھی کہ ابن عوف آگئے آپ نے ان سے بھی دریافت کرلیا۔ انھوں نے برجستہ ایک فتوی دے دیا۔ (جس کو شریعت اسلام سے کوئی تعلق نہ تھا)

اقول تاریخ اسلام میں اس قسم کے بے شمار واقعات موجود ہیں کہ جن سے آپ کی نرم دلی کا اندازہ ہوتا ہے کہ جب آپ کو اپنی غلطی کا علم ہوگیا تو فورا بات بدل دی اور کبھی ضد سے کام نہیں لیا۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ اسی کے ساتھ سیاست میں آپ کی روش اسقدر متشددانہ تھی کہ جس سے تمام صحابہ لرزاں رہتے تھے۔ چنانچہ کبھی آپ نے سعد بن ابی وقاص کے قصر میں آگ لگادی کبھی اپنے والیوں کی تذلیل و تحقیر کی۔ اور ان سے سخت محاسبہ کیا۔ اور کبھی ابی بن کعب کو چند آدمیوں کے ساتھ راستہ میں دیکھ لیا تو تازیانہ لے کر مارنے کے لیئے دوڑ پڑے اور انھوں نے فریاد کی تو فرمایا کہ اس جماعت کے ساتھ کیوں ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ لوگ آپ کے تازیانہ کو حجاج کی تلوار سے کم نہ سمجھتے تھے۔ (شرح حمیدی ج ا ص ۶۰)

یہی وہ تازیانہ تھا جس سے جناب ام فروہ خواہر ابوبکر کو زخمی کیا گیا۔ صرف اس بات پر کہ وہ اپنے بھائی کو کیوں روتی ہیں۔ اور یہی وہ تازیانہ تھا کہ جس کے آگے نہ ام المومنین کا لحاظ کیا گیا نہ خلیفہ وقت کا اور نہ خلیفہ وقت کی خواہر کی عزت و آبرو کا۔

آپ کی زندگی اس قسم کے حوادث کا ایک شاہکار ہے۔ حد ہوگئی کہ آپ کی یہ تشدد آمیز روش بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچ گئی۔ اور آپ نے اہل بیت رسالت سے یہ کہہ کر مطالبہ بیعت کیا کہ اگر بیعت کے لیئے نہ نکلے تو گھر میں آگ لگادی جائے گی۔

حقیقت امر یہ ہے کہ آپ کی طبیعت کی صحیح اور جامع تعریف وہی ہے کہ جو

جناب امیرؑ نے نہج البلاغہ کے خطبہ شقشقیہ میں فرمائی ہے۔

مورد شوری جب زخم کھانے کے بعد حضرت عمر اپنی زندگی سے مایوس ہوگئے تو ان سے خواہش کی گئی کہ اے کاش آپ کسی کو خلیفہ بنادیتے۔ انھوں نے فرمایا کہ اگر ابوعبیدہ زندہ ہوتے تو انھیں بنادیتا۔ اس لیئے کہ وہ امین امت تھے۔ اور اگر سالم ہوتے تو انھیں ہی بنادیتا۔ اس لیئے کہ وہ بے حد خدا دوست تھے۔ لوگوں نے عبداللہ کے متعلق ذکر کیا تو آپ نے انکار کردیا لوگ باہر چلے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد دوبارہ فرمائش کی گئی تو فرمایا کہ میری بھی خواہش یہ تھی کہ ایک ایسے آدمی کو حاکم بنادوں کے جو تمھیں سیدھے راستہ پر چلائے (یعنی حضرت علی) لوگوں نے عرض کیا پھر حضور مانع کیا ہے؟ فرمایا میں اس منصب کا بار مرنے کے بعد نہیں اٹھا سکتا۔ البتہ تم لوگ علیؑ، عثمان، عبدالرحمن، سعد، زبیر اور طلحہ کی طرف رجوع کرو یہ کسی نہ کسی کو مقرر کردیں گے تو تم اسی کی اطاعت کرنا۔ پھر فرمایا کہ میرے بعد امام جماعت کے فرائض صہیب انجام دیں گے اور تین دن مشورہ ہوگا۔ چوتھے روز حاکم کا تعین لازمی ہے۔ اس کے بعد ابو طلحہ انصاری کو حکم دیا کہ پچاس افراد کو لے کر ان چھ افراد کے سر پر مسلط ہوجائیں یہاں تک کہ تین دن کے اندر خلافت کا فیصلہ ہوجائے۔ حضرت صہیب کو حکم دیا کہ خود نماز جماعت پڑھائیں اور اس جماعت کو ایک گھر میں بند کردیں۔ تلواریں ان کے سروں پر علم رہیں۔ اگر پانچ افراد متفق ہوجائیں اور ایک مخالفت کرے تو اس کو قتل کردیا جائے۔ اور اگر چار متفق ہوں اور دو مخالف ہوں تو بھی اسی طرح۔ ہاں اگر برابر کا معاملہ ہو تو اسے مقدم کیا جائے جس کی طرف عبدالرحمن ہوں۔ پھر اگر باقی افراد مخالفت کریں تو ان کی سزا بھی قتل ہے۔ بلکہ اگر تین دن میں فیصلہ نہ ہوسکے تو سب کی گردن زدنی۔ پھر معاملہ مسلمانوں کے حوالے ہوگا۔ وہ جسے چاہیں گے انتخاب کرلیں گے۔ اس واقعہ کو تفصیل کے ساتھ کامل ج ۳ ص ۴۳ طبری ج ۳ ص ۲۹۲ ابن ابی الحدید ج ۱ ص ۶۱ شرح خطبہ شقشقیہ میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

نقد و نظر سوال یہ ہے کہ اگر اس بار کو اٹھانے سے خائف تھے تو پھر دوبارہ کیوں اٹھالیا؟ اور پھر وہ بھی اس طرح کہ زعماء ملت کے خون بہانے کا بھی سامان ہوگیا؟ پھر ان چھ افراد کو کیونکر منتخب کیا گیا کہ جن میں اکثریت کو چند لحہ قبل بڑے معقول مناسب اوصاف سے متصف کرچکے تھے۔ (شرح النہج ج ا ص ۶۲) پھر اس ترتیب کا مقصد کیا تھا؟ کہ جس کا نتیجہ آخر کار خلافت حضرت عثمان تھی۔ کاش شروع سے انھیں بنادیتے تو کم از کم مسلمانوں کا خون تو محفوظ رہ جاتا۔

کاش حضرت صہیب جیسے غلام کو امام نہ بنایا ہوتا؟ کاش ابو طلحہ کی تلوار سروں پر علم نہ ہوتی کاش ابوعبیدہ و سالم کا تذکرہ کرکے اپنے نمائندوں کی توہین نہ کی ہوتی! کاش ابن عم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہارون امت باب حکمت و علم کو ان افراد کے برابر قرار نہ دیا ہوتا پھر طرہ یہ ہے کہ سالم نہ قریش سے تھا نہ عرب وہ ایک عجمی غلام تھا کہ جو حذیفہ کی زوجہ کی ملکیت تھا ایسے شخص کو خلیفہ بنانا اجماع مسلمین کے خلاف ہے اس لے کہ مسلمانوں میں خلیفہ کے لے عربیت وضعی شرط ہے۔

شوری کا ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ ان چھ افراد میں باہمی چشمک کی بنیاد پڑگئی اور ہر شخص اپنے کو منصب کا اہل تصور کرنے لگا۔ وہ عبدالرحمن کو جو تابع عثمان اور وہ سعد کہ جو تابع عبدالرحمن تھا سب برابر ہوگئے حد ہوگئی کہ وہ حضرت زبیر کہ جو کل حضرت علیؑ کے فدائیوں میں سے تھے جس نے جناب فاطمہ علیہا السلام کے جنازہ میں شرکت کی جس نے یہاں تک کہہ دیا تھا کہ اگر حضرت عمر مرگئے تو میں حضرت علی کی بیعت کرلوں گا اب اپنے آپ کو حضرت علی کا ہمسر تصور کرنے لگے جس کا نتیجہ روز جمل واضح ہوا۔ پھر حضرت عبدالرحمن کو اپنے انتخاب پر شرمندہ ہونا پڑا۔ اور انھوں نے حضرت عثمان کی معزولی کی فکریں شروع کردیں۔ ادھر حضرت طلحہ و زبیر نے ان کے خلاف آواز بلند کرکے حضرت عائشہ کی تائید حاصل کرلی۔ اور انھوں نے بھی اسے نعثل کہہ کر ان کے قتل کا فتوی دے دیا۔

قتل حضرت عثمان کے بعد طلحہ و زبیر نے حضرت علیؑ کی بیعت تو کرلی لیکن اس

توہم کے ساتھ کہ ہم بحکم حضرت عمران کے برابر ہیں۔ چنانچہ اس کے اثر میں ان لوگوں نے بغاوت پھیلا دی۔ اور حضرت کو جمل و صفین کے میدانوں سے دوچار ہونا پڑا۔

اس شوری اور اس کے امیدواروں کی ترتیب کا ایک اثر یہ بھی ہوا کہ حضرت معاویہ جیسے افراد کو بھی خلافت کی طمع پیدا ہوگئی۔ اور یہ لوگ حضرت علی کی راہ میں یوں حائل ہوگئے کہ آپ امت کو صراط مستقیم پر نہ چلاسکے۔

پھر اس شوری میں قتل حضرت عثمان کے جراثیم بھی پوشیدہ تھے۔ جیسا کہ حضرت عمر نے حضرت عثمان سے اشارتا کہا تھا کہ خلافت ملنے کے بعد تم بنی امیہ کو غلبہ و اقتدار دوگے اور اس طرح عرب تمھیں قتل کردیں گے۔ جس کا ذکر ابن ابی الحدید نے حضرت عمر کی دو اندیشی میں کیا ہے۔ ج ا ص ۶۲۔

میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ اس واقعہ سے جہاں حضرت عمر کی دور اندیشی کا اندازہ ہوتا ہے وہاں ان کا حقیقی مقصد بھی کھل کر سامنے آجاتا ہے۔

"فصل"

بخاری و مسلم کے روایات معتبرہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ امامت صرف قریش کا حق ہے چنانچہ علامہ نودی نے شرح مسلم ج ۱۲ ص ۱۹۹ میں تحریر فرمایا ہے کہ "احادیث مذکورہ سے واضح ہوتا ہے کہ امارت قریش کا حق ہے اب جو اہل بدعت اس سے اختلاف کرے گا اس کا جواب اجماع امت سے دیا جائیگا قاضی عیاض نے اس شرط کو تمام علماء رائے کا مذہب قرار دیا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابوبکر و عمر نے سقیفہ میں ذکر کیا اور سب نے سکوت اختیار کیا۔ قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ اس سلسلہ میں سوائے نظام اور خوارج کے کوئی اور مخالف نہیں ہے۔ اور ان کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ بلکہ ضرار بن عمرو کا یہ قول کہ غیر قریش قریش سے اس لے بہتر ہے کہ اسے جلدی معزول کرسکتے ہیں خلاف اجماع المسلمین اور خرافات ہے"۔

مذہب اثناء عشریہ کا مسلک یہ ہے کہ امامت قریش کو بارہ معین افراد کا حق ہے

جس کی تعداد کی طرف احادیث میں اشارہ موجود ہے۔ (شرح مسلم ۱۲ ۱۹۹ بخاری ابوداؤد، احمد بن حنبل، بزاز، حاکم طبرانی وغیرہ)۔

تاویلات

حضرت عثمان

مورد کنبہ پروری اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ آپ کنبہ پروری میں اس طرح استاد تھے کہ اپنی رائے کے آگے کسی انقلاب و ملامت بلکہ کسی آیت اور روایت و سیرت کی بھی پرواہ نہ کرتے تھے۔ چنانچہ ابن ابی الحدید کا کہنا ہے کہ حضرت عمر کی دور اندیشی اس وقت ظاہر ہوگئی جب حضرت عثمان نے بنی امیہ کو حکومتیں ریاستیں اور جائیدادیں تقسیم کیں بلکہ خمس کا سارا مال مروان کو دے دیا۔ جن میں عبدالرحمن بن حنبل نے احتجاجی اشعار بھی کہے۔ ابن ابی الحدید کے منقولات کی بنا پر آپ سے خالد بن اسید کے بیٹے عبداللہ نے صلہ رحم کی درخواست کی تو آپ نے چار لاکھ درہم دے دیے۔ حکم طرید رسول صلعم کو واپس بلا کر ایک لاکھ درہم عطا فرمائے۔ صدقہ رسول صلعم بازار مدینہ کو حارث بن حکم کے حوالہ کردیا۔ فدک کو مروان کی جائیداد بنادیا۔ چراگاہوں کو بنی امیہ کے ساتھ مخصوص کردیا۔ عبدا للہ بن ابی سرح کو فتح افریقہ کی جملہ آمدنی عطا فرمادی۔ ابوسفیان کو دولاکھ درہم اس دن عطا کئے جس دن مروان کے لیئے ایک لاکھ کا آرڈر صادر فرمایا۔ چونکہ مروان آپ کا داماد تھا اس لیئے دارو غہ بیت المال زید بن ارقم نے اگر فریاد کی کہ آپ ان تمام اموال کو واپس لے رہے ہیں جو حیات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں صرف کے تھے۔ مروان کے لے ایک سو درہم کافی ہیں۔ آپ نے حکم دیا کہ کنجی رکھ دو۔ مجھے دوسرا آدمی مل جائے گا۔ ابوموسی عراق سے کافی اموال لے آیا سب کو بنی امیہ پر تقسیم کردیا۔ حارث بن حکم کو اپنی لڑکی عائشہ دے کر ایک لاکھ اور بھی عطا کیے۔ ان عطایا کے علاوہ آپ کے کارناموں میں حسب ذیل امور بھی ہیں۔ ابوذر کا شہربدر کرانا ابن مسعود کی پسلیاں

توڑ دینا ، غلط حدود جاری کرنا۔ ظالم کی روک تھام میں خلاف سیرت حضرت عمر اختیار کرنا وغیرہ۔ ان کارناموں کی انتہا اس وقت ہوگئی جب آپ نے معاویہ کو بعض مسلمانوں کے قتل کا حکم بھیجا اور اس کے نتیجہ میں خود قتل ہوگئے۔ ابن ابی الحدید کا قول ہے کہ اس واقعہ سے امیرالمومنین کا کوئی تعلق نہ تھا۔ ان وقائع کی تفصیل الملل والنحل شہرستانی میں بھی مل سکتی ہے۔

اقول آپ کے کارنامے ایسی متواتر حیثیت رکھتے ہیں جن کو تماما یا اجمالا مورخ نے اپنی کتاب میں جگہ دی ہے۔ اور آپ کے ان اعمال و افعال کی شہادت حضرت علی کے اس خطبہ سے بھی ہوتی ہے کہ جو خطبۂ شقشقیہ کے نام سے معروف ہے۔

مورد "اتمام در سفر" کتاب و سنت و اجماع سے یہ امر ثابت ہے کہ سفر میں نماز قصر ہوجاتی ہے خواہ خوف ہو یا اطمینان چنانچہ قرآن کے علاوہ حسب ذیل احادیث بھی اس امر پر دلالت کرتی ہیں۔ یعلی بن امیہ نے حضرت عمر سے پوچھا کہ ہم لوگ امن میں کیوں قصر کریں انھوں نے فرمایا کہ مجھے بھی یہ تعجب تھا لیکن میں نے سرکار رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ قصر صدقہ خدائی ہے اسے قبول کرو۔ "مسلم"

ابن عمر کہتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابوبکر و عمر و عثمان سب کے ساتھ سفر کیا۔ لیکن کسی نے تمام نماز نہیں پڑھی۔ (یہ واقعہ ابتداء خلافت حضرت عثمان کا ہے)

ابن ابی شیبہ کی روایت ہے کہ حضرت نے اخیار امت کے علائم میں قصر کو بھی ذکر فرمایا ہے انس کہتے ہیں کہ میں مدینہ سے مکہ اور مکہ سے مدینہ تک حضرت کے ساتھ رہا۔ آپ صلعم برابر قصر پڑھتے رہے (بخاری و مسلم) حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ میں ۱۹ دن تک قصر نماز پڑھی (بظاہر قصد اقامت عشرہ نہ تھا)

یہ بھی روایت ہے کہ آپ صلعم بعد ہجرت اہل مکہ کے ساتھ نماز پڑھتے تھے تو

سلام دے کر انھیں اتمام کا حکم فرمایا کرتے تھے۔ حضرت انس کہتے ہیں کہ میں حضرت صلعم کے ساتھ مدینہ میں ظہر تمام اور ذی الحلیفہ میں عصر قصر پڑھی۔ (مسلم)

اقول آیت کریمہ سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ حالت خوف میں قصر رکھا گیا ہے لیکن روایات کثیرہ سے مطلق سفر میں بھی قصر ثابت ہوتا ہے بلکہ اسی پر اجماع امت بھی ہے۔ اور اس میں سوائے حضرت عثمان و حضرت عائشہ کے کوئی تیسرا مخالفت نہیں ہے۔

یہی وہ مسئلہ ہے کہ جس سے حضرت عثمان کی مخالفت کا آغاز سنہ ۲۹ ہجری سے ہوا۔ چنانچہ ابن عمر کہتے ہیں کہ منی میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و حضرت ابوبکر و حضرت عمر سب نے قصر کیا اور حضرت عثمان نے اتمام کیا (مسلم) عبدالرحمن بن یزید کہتے ہیں کہ حضرت عثمان نے منی میں نماز تمام پڑھی تو اس کی اطلاع ابن مسعود کو کی گئی۔ انھوں ینے اناللہ کہا اور فرمایا کہ یہ خلاف عمل رسول صلعم و شیخین ہے۔ (بخاری و مسلم) حارثہ بن وہب کہتے ہیں کہ ہم نے رسول اکرم صلعم کے ساتھ منی میں انتہائی سکون کے عالم میں نماز پڑھی ہے۔ (بخاری و مسلم) عروہ نے حضرت عائشہ سے روایت کی ہے کہ نماز شروع میں دور رکعت تھی۔ بعد میں حضرت کے لیئے دو رکعت کا اضافہ ہوگیا۔ زہری کہتے ہیں کہ عروہ سے پوچھا کہ پھر خود حضرت عائشہ کیوں اتمام کرتی تھیں۔ اس نے کہا کہ انھوں نے حضرت عثمان کی طرح تاویل کرلی ہے۔ (مسلم) فاضل نودی نے اس مقام پر اس تاویل کے معانی بیان کئے ہیں کہ بعض کا خیال ہے کہ حضرت عثمان مکہ میں مع اہل و عیال آئے تھے۔ لیکن ظاہر ہے کہ حضرت نے ایسی حالت میں بھی قصر فرمایا ہے بعض کا قول ہے کہ حضرت عثمان نے عربوں کو بتانے کے لیے ایسا کیا تھا۔ کہ نماز چار رکعت ہے لیکن ظاہر ہے کہ اس کی ضرورت عصر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں زیادہ تھی بعض کا کہنا ہے کہ حضرت عثمان و حضرت عائشہ نے قصد اقامہ کرلیا تھا۔ لیکن ظاہر ہے کہ مہاجر پر مکہ میں تین دن سے زیادہ اقامہ حرام ہے۔ بعض کا اندازہ ہے کہ منی میں حضرت عثمان کی اراضیات

تھیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اس کو اقامہ سے کیا رابطہ ہے؟ خلاصہ یہ ہے کہ ان حضرات کی نظر میں قصر و اتمام دونوں جائز تھے۔ انھوں نے ایک ایک کو اختیار کرلیا۔

اقول حقیقت یہ ہے کہ ان حضرات کی تاویل اسی حد تک محدود نہ تھی بلکہ اس کا دائرہ بہت زیادہ وسیع تھا۔ ہم اس موضوع میں زیادہ محاسبہ اس لیے نہیں کرتے کہ اس سے کسی مسلمان کا خون نہیں بہایا گیا۔ کسی کی ہتک حرمت نہیں ہوئی۔ یہ حضرات تو ایسے مقامات پر بھی تاویل کے قائل تھے یہ بھی یاد رہے کہ امام احمد کی روایت کے مطابق معاویہ نے نماز ظہر قصر پڑھی تھی لیکن جب اسے اطلاع ملی کہ حضرت عثمان نے حکم بدل دیا ہے تو اس نے نماز عصر تمام پڑھادی۔

تاویلات

حضرت عائشہ

مورد قصاص حضرت عثمان قرآن مجید کا صریحی حکم ازواج رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے یہ تھا کہ گھروں میں بیٹھی رہیں۔ لیکن جناب عائشہ نے امام وقت کیخلاف خروج کرکے گھر چھوڑ دیا جبکہ طلحہ و زبیر جیسے بزرگ بیعت کرچکے تھے۔ آپ بیت الشرف سے اس حالت میں برآمد ہوئیں کہ خود ناقہ پر مادر ملت کی حیثیت سے ساتھ ساتھ طلحہ و زبیر اور پیچھے پیچھے تقریبا تین ہزار عرب اس شان سے آپ بصرہ پہنچیں۔ وہاں جناب امیر کی طرف سے عثمان بن حنیف عامل تھے۔ آپ نے وہاں انتہائی سفاکی و خون ریزی سے کام لیکر اسے فتح کیا جو تاریخ میں جمل اصغر کے نام سے مشہور ہے۔ یہ واقعہ ۲۵ ربیع الثانی ۳۶ سنہ ہجری کا ہے چند دونوں کے بعد جب جناب امیر بصرہ پہنچے تو حضرت عائشہ نے آپ پر حملہ کا قصد کیا۔ آپ نے نرم لہجہ میں معاملہ فہمی کی کوشش کی لیکن انھوں نے قبول نہ کیا اور جنگ پر آمادگی ظاہر کی تو آپ نے بمقتضائے حکم بغاوت جہاد کا قصد کیا۔ اور اسی طرح متعدد مسلمانوں کی جان دے کر ام المومنین مغلوب قرار پائیں۔ یہ واقعہ جمل اکبر کے نام سے مشہور ہے۔ جو کہ ۱۰ جمادی الاخر سنہ ۳۶ ہجری کو پیش آیا۔ کوئی مورخ سیرت نگار ایسا نہیں ہے جس نے اس واقعہ کو درج نہ کیا ہو اس لیئے حوالہ کی ضرورت نہیں۔

واقعہ پر ایک نظر ابن ابی الحدید کے بیان کے مطابق ہر مورخ و سیرت نگار نے یہ نقل کیا ہے کہ حضرت عائشہ حضرت عثمان کے سخت ترین مخالفین میں تھیں حتی کہ آپ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیراہن کو اپنے مکان میں نصب کردیا تھا۔ اور ہر آنے والے سے کہتی تھیں کہ یہ پیراہن پرانا نہیں ہوا لیکن حضرت

عثمان نے سنت رسول کو برباد کردیا۔ آپ برابر حضرت عثمان کو نعثل سے تعبیر کرتی تھیں اور ان کے کفر کا حکم فرماتی تھیں۔ آپ کے ہم آواز اس وقت طلحہ و زبیر تھے۔ مدائنی نے کتاب جمل میں نقل کیا ہے کہ وقت قتل حضرت عثمان جناب عائشہ مکہ میں تشریف فرما تھیں۔ آپ کا خیال تھا کہ خلافت طلحہ کو ملے گی۔ چنانچہ آپ نے اس امر پر اظہار مسرت بھی فرمایا۔ طلحہ نے بھی بیت المال کی کنجیاں حاصل کرلی تھیں۔ لیکن آخر جب مقصد حاصل نہ ہوسکا تو حضرت علی کے حوالہ کردیا۔ طبری وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ حضرت عائشہ مکہ واپس ہورہی تھیں کہ راستہ میں عبد ابن ام کلاب سے ملاقات ہوگئی۔ آپ نے اس سے حالات معلوم کئے اس نے قتل عثمان کی خبر دی۔ آپ نے خلافت کا سوال اٹھایا۔ اس نے بتایا کہ بڑا اچھا ہوا کہ خلافت حضرت علیؑ کو مل گئی۔ یہ سننا تھا کہ آپ نے رخ موڑ دیا۔ اور فرمایا عثمان مظلوم تھا میں اس کا قصاص لونگی اس نے کہا کہ آپ ہی نے تو مخالفت کی تھی۔ اب یہ کیا؟ فرمایا کہ اس نے توبہ کرلی تھی۔ اور پھر دوسرا قول پہلے سے بہتر ہے۔ اس نے اس موقع پر اشعار بھی پڑھے۔ آپ پلٹ کر مکہ پہنچیں۔ در مسجد پر اتر کر حجر اسود کے قریب آئیں اور مجمع کو خطاب کیا کہ حضرت عثمان مظلوم تھے میں ان کا انتقام لوں گی۔ عبد کہتے ہیں کہ اس کلام سے آپ نے حضرت علی کے خلاف فتنہ برپا کرنا چاہا تھا ورنہ آپ کو اس واقعہ سے کوئی ربط نہ تھا تاریخ کامل میں آپ کی تقریر کے یہ فقرات درج ہیں کہ "اہل مدینہ کے غلاموں اور بعض اجنبیوں نے مل کر مظلوم کو قتل کردیا اور اس پر بے ربط اعتراضات کردیئے جو اس کے قبل بھی رائج تھے۔ اس نے توبہ بھی کرلی لیکن جب کوئی دوسرا عذر نہ مل سکا تو اس پر ہجوم کرکے اسے قتل کردیا۔ اور اس طرح نفس حرام مال حرام شہر حرام اور بلد حرام سب کی ہتک حرمت کی۔ خدا کی قسم عثمان کی ایک انگلی پورے طبقہ ارض سے بہتر ہے۔ خیر اگر وہ ان کے خیال میں گناہگار بھی تھا تو اب پاک ہوگیا۔ اس لیے کہ ان لوگوں نے اسے چوس لیا" یہ سنکر عبداللہ بن عامر حضرمی نے کہ جو حضرت عثمان کا عامل تھا لبیک کہی اور اس طرح بنی امیہ کو جو

مدینہ سے بھاگ کر آئے تھے ہم آواز ہوگئے اور جنگ کی مہم شروع ہوگئی۔

موقف حضرت ام سلمہ شرح النہج وغیرہ میں یہ واقعہ مذکور ہے کہ حضرت عائشہ جناب ام سلمہ کے پاس آئیں اور ان سے خوشامد کرکے ان کے فضائل شروع کردیئے انھوں نے مقصد پوچھا۔ فرمایا کہ حضرت عثمان کو لوگوں نے توبہ کے باوجود روزہ کی حالت میں قتل کرڈالا۔ اب میں انتقام کے لیے طلحہ و زبیر کو لے کر بصرہ جارہی ہوں آپ بھی چلئے۔ انھوں نے فرمایا کہ کل تک تو نعثل سے تعبیر کرتی تھیں یہ کیا ہوا کیا تمھیں حضرت علی کے فضائل معلوم نہیں؟ کیا میں یاد دلاوں؟ بولیں ہاں! فرمایا کیا یاد نہیں ہے وہ دن جب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علی سے مناجات کررہے تھے اور تم نے طول کلام کو دیکھ کر ٹوکنے کا قصد کیا میں نے روکا لیکن تم نے ٹوک دیا کہ یا علی ۹ دن میں ایک دن ملتا ہے اس میں بھی تم باتیں کرتے رہتے ہو۔ تو حضرت صلعم نے یہ فرمایا کہ جو علی کا دشمن ہے وہ ایمان سے خارج ہے اور اس پر تم نادم ہوکر واپس آئیں؟ بولیں ہاں یاد ہے۔ فرمایا کیا یاد نہیں ہے جب حضرت صلعم نے ہم لوگوں سے کلاب حواب کا ذکر کیا تھا اور یہ فرمایا تھا کہ عورت دین حق سے برگشتہ ہوگی اور اس کے بعد تمھاری پشت پر ہاتھ رکھ کر یہ فرمایا تھا کہ حمیرا کہیں تم نہ ہو؟ بولیں یاد ہے۔ فرمایا کیا یاد نہیں ہے کہ ایک سفر میں حضرت علی حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام خدمت کررہے تھے۔ کہ ایک دن اتفاق سے آپ کی نعلین شکستہ ہوگئی وہ مرمت کررہے تھے کہ اتنے میں تمھارے باپ حضرت عمر کے ساتھ آگئے اور حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہنے لگے کہ ہمیں آپ کی زندگی کا اعتبار نہیں لہٰذا اپنے بعد کے لیے بتادیجیے۔ تو آپ صلعم نے فرمایا کہ اگر بتادوں گا تو تم لوگ یونہی مخالفت کروگے جس طرح بنی اسرائیل نے ہارون کی مخالفت کی۔ پھر ان کے چلے جانے کے بعد ہم اور تم گئے اور حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا تو آپ صلعم نے فرمایا کہ یہی جوتیاں ٹانکنے ولا خلیفہ ہے پھر ہم نے دیکھا تو حضرت علی تھے۔ تم نے حضرت سے تصدیق چاہی تو آپ نے تصدیق کردی۔ بولیں یاد ہے۔

فرمایا کہ پھر اس خروج کا محل کیا ہے؟ بولیں کہ مجھے اصلاح مردم منظور ہے۔ ابن قتیبہ نے غریب الحدیث میں یہاں تک نقل کیا ہے کہ اس کے بعد جناب ام سلمہ نے بڑی شدت سے عائشہ کو روکا اور فرمایا کہ اسلام کی اصلاح عورتوں سے نہیں ہو سکتی۔ عورتوں کا کام عصمت و عفت کا تحفظ ہے نہ کہ مسافرت و مجاہدہ۔ خدا کی قسم اگر میں تمھاری طرح نکل پڑوں اور کل مجھ سے جنت میں جانے کے لیئے کہا جائے تو مجھے حضرت صلعم سے شرم آئے گی کہ انکی پردہ داری پر حرف آگیا۔ (ابن ابی الحدید ج ۲ ص ۷۹)

اس کے بعد جناب ام سلمہ نے امیرالمومنین کو خط لکھا کہ طلحہ و زبیر جیسے گمراہ افراد حضرت عائشہ و عبدا للہ بن عامر کو لے کر آپ کے خلاف خروج کررہے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ حضرت عثمان مظلوم قتل ہوا ہے۔ خیر خدا ان کو دفع کرے گا لیکن اگر حکم خدا نہ ہوتا اور آپ کی ناراضگی کا خیال نہ ہوتا تو میں آپ کی مدد کے لیئے آتی۔ اب میں اپنے بیٹے عمر ابن ابی سلمہ کو بھیج رہی ہوں۔ اس کو ہدایات فرمائیں۔ چنانچہ جب عمر ابن ابی سلمہ آئے تو آپ نے ان کا کمال احترام فرمایا۔ اور پھر وہ تمام وقائع میں حضرت کے ہمرکاب رہے۔

موقف حضرت حفصہ اکثر اہل تاریخ نے نقل کیا ہے کہ جناب عائشہ نے حضرت حفصہ کو بھی دعوت دی کہ وہ بصرہ جنگ کے لیئے چلیں۔ اور انھوں نے آمادگی بھی ظاہر کی۔ لیکن ان کے بھائی حضرت عبداللہ نے آکر روک دیا۔ (شرح النہج ج ۲ ص ۰۸)

موقف اشتر جناب اشتر نے مدینہ سے ایک خط حضرت عائشہ کو لکھا جس کا مفہوم یہ تھا کہ سنا ہے کہ تم گھر سے نکل کر مسلمانوں کو اپنے محاسن دکھانا چاہتی ہو تو تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ یہ خلاف حکم خدا و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ لہٰذا تم گھر میں بیٹھو ورنہ اگر تم باہر نکلیں تو یاد رکھو کہ میں اس وقت تک تم سے جہاد کروں

گی جب تک تم کو گھر واپس نہ کردوں۔

قیادت عامہ اس لشکر کی قیادت خود جناب عائشہ کے ہاتھوں میں تھی۔ آپ خود ہی تنظیم لشکر فرماتی تھیں اور خود ہی اوامر و احکام صادر کرتی تھیں۔ نصب و عزل کے فرائض بھی آپ کے ہی ذمہ تھے۔ چنانچہ آپ نے اکثر لوگوں کو جنگ کی دعوت دی جن میں سے اہل بصیرت افراد نے انکار کردیا اور بنی امیہ جیسے طماع اشخاص نے لبیک کہی۔ آپ کے لشکر میں ایک مروان بھی تھا جس کے حملے دونوں طرف ہوتے تھے تاکہ جس کی فتح ہوجائے اسی سے ملحق ہوجائے چنانچہ بعض کا کہنا ہے کہ طلحہ اسی کے تیر کا نشانہ بنے تھے۔

مکہ سے بصرہ تک جب جناب عائشہ نے روانگی کا قصد کیا تو بنی امیہ وغیرہ سے مشورہ کیا۔ بعض نے کہا کہ براہ راست مدینہ چلیں۔ آپ نے جواب دیا کہ وہاں حضرت علی سے مقابلہ مشکل ہے۔ بعض نے عرض کیا پھر شام چلیں فرمایا کہ وہاں معاویہ کافی ہے لہٰذا ہمیں بصرہ جانا چاہیے وہاں طلحہ و زبیر کے اثرات زیادہ ہیں لہٰذا فتح کی امید زیادہ ہے۔ چنانچہ اسی پر اتفاق ہوگیا اور آپ نے کوچ کا حکم دیا۔ عبداللہ بن عامر نے بے حد و انتہا مال و دولت اور ناقوں سے مدد کی یعلی بن امیہ نے چار لاکھ دے دیے اور اس طرح کافی مطمئن ہوکر لشکر روانہ ہوا۔ آپ کے لیے ایک بہترین اونٹ جس کا نام عسکر تھا چھانٹا گیا جسے دیکھ کر آپ محظوظ ہوئیں۔ لیکن جب ساربان نے اس کے فضائل میں اس کا نام ذکر کیا تو آپ نے تڑپ کر واپسی کا قصد کیا۔ اور فرمایا کہ یہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشین گوئی ہے۔ لوگوں نے اونٹ تبدیل کرنا چاہا لیکن جب دوسرا نہ مل سکا تو اسی کی پوشش بدل کر لے آئے اور آپ اس پر سوار ہوگئیں۔ (شرح المنہج ج ۳ ص ۸۰)

چشمۂ حواب اکثر اہل اخبار و احادیث نے نقل کیا ہے کہ ایک دن سرکار رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ازواج سے خطاب کرکے چشمۂ حواب سے ڈراتے ہوئے انھیں وہاں تک جانے سے روکا تھا۔ چنانچہ جس وقت آپ وہاں پہنچیں

اور کتوں نے شور مچایا تو لوگوں نے حواب کے کتوں کی شکایت کی۔ آپ یہ سن کر بے چین ہو گئیں اور فرمایا کہ مجھے واپس کردو۔ ایک شخص نے کہا یہ غلط ہے۔ حواب گزر چکا ہے۔ اس پر پچاس اشخاص نے گواہی بھی دے دی۔ آپ ان کی قسم پر اعتبار کرکے آگے بڑھ گئیں۔

موقف ابوالاسود جب یہ قافلہ بصرہ کے قریب پہنچا تو استجبار حال کے لیئے عثمان بن حنیف نے ابوالاسود کو بھیجا۔ انھوں نے حضرت عائشہ سے ارادہ معلوم کیا۔ آپ نے فرمایا کہ میں خون عثمان کا قصاص لینے آئی ہوں۔ انھوں نے عرض کیا کہ یہاں تو کوئی قاتل نہیں ہے۔ فرمایا کہ قاتل حضرت علی کے ساتھ مدینہ میں ہیں۔ میں فوج جمع کرنے آئی ہوں۔ انھوں نے عرض کیا کہ آپ کا فریضہ گھر میں بیٹھنا ہے آپ واپس جائیں۔ حضرت علیؑ امام ہیں۔ وہ خود قصاص کا انتظام کرینگے۔ آپ نے غصہ میں فرمایا میں ہرگز واپس نہ ہوں گی۔ کون ہے جو میرا مقابلہ کرے انھوں نے کہا کہ پھر میں ایسا جہاد کروں گا کہ آپ بھی دیکھیں گی۔ یہ کہکر حضرت زبیر کے پاس گئے اور کہا کہ کل تو تم حضرت علیؑ کے ساتھ تھے اور آج یہ سرکشی؟ انھوں قصاص کا عذر کا۔ آپ نے فرمایا کہ تمھیں نے تو حضرت علیؑ کو خلیفہ بنایا اور پھر اب یہ کیا؟ وہ خاموش ہوگیا۔ آپ طلحہ کے پاس گئے لیکن اسے بھی گمراہی پر ثابت قدم پایا۔ تو آکر عثمان کو خبر دے دی کہ آپ بھی تیار ہوجائیں۔

موقف ابن صوحان بصرہ سے ایک خط حضرت عائشہ نے زید بن صوحان کو لکھا اے میرے خالص فرزند تمھاری روحانی ماں کا حکم ہے کہ تم وہیں رہو اور لوگوں کو حضرت علی کے خلاف ابھارتے رہو پھر مجھے مسرت آمیز خبریں بھیجتے رہو۔ انھوں نے جواب دیا آپ کے اور ہمارے فریضہ میں فرق ہے آپ کا فریضہ ہے گھر میں بیٹھنا۔ ہمارا فریضہ ہے جہاد اب آپ مجھے حکم خدا کے خلاف حکم دے رہی ہیں تو میں جواب سے قاصر ہوں۔

موقف جاریہ بن قدامہ طبری نے نقل کیا ہے کہ یہ حضرت عائشہ کے پاس

آئے اور کہنے لگے خدا کی قسم عثمان کا قتل ہوجانا آپ کے اس ناقہ پر سوار ہوکر جنگ کرنے سے بدرجہاسبک تر ہے۔ لہٰذا اگر آپ خود آئی ہیں تو واپس جائیں اور اگر مجبورا لائی گئی ہیں تو لوگوں کی کمک و امداد سے واپس ہوجائیں۔

جوان بنی سعد اس مرد غیور نے طلحہ و زبیر سے خطاب کرکے کہا "افسوس کہ تم نے اپنی عورتوں کو گھر میں محفوظ رکھا ہے اور اماں جان کو میدان میں لے آئے ہو ان کا فریضہ تھا کہ گھر میں رہیں۔ یہ اپنی ہتک کرنے نکل آئیں اور صد حیف کہ تم بھی اس پر راضی ہوگئے"۔

غلام بنی جہینہ و محمد بن طلحہ اس شخص نے ابن طلحہ سے دریافت کیا کہ آخر عثمان کا قاتل کون تھا؟ اس نے کہا ان کا خون تین آدمیوں کی گردن پر ہے۔ طلحہ، علیؑ اور یہ پردہ نشین معظمہ یہ سنکر وہ ام المومنین سے پھر حضرت علیؑ کے ساتھ ہوگیا اور کہنے لگا کہ معلوم ہوتا ہے کہ دو صحیح ہیں اور ایک غلط۔

موقف احنف بن قیس بیہقی نے المحاسن و المساوی ج ۱ ص ۳۵ میں حسن بصری سے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ روز جمل احنف حضرت عائشہ کے پاس آئے اور کہنے لگ کیا یہ حکم رسول تھا کہ آپ جنگ کریں؟ فرمایا نہیں۔ پوچھا کیا پھر قرآن کی کوئی آیت ہے؟ فرمایا کہ قرآن تو ہمارا تمھارا ایک ہے۔ سوال کیا تو کیا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفار کے مقابلہ میں کبھی آپ سے مدد مانگی تھی؟ فرمایا نہیں۔ عرض کیا پھر ہم غریبوں کا کیا قصور ہے؟ دوسری رویات کی بنا پر سوالات اور زیادہ سخت تھے۔ جس کے نتیجہ میں آپ نے صلح کی پیش کش کردی تو انھوں نے جواب دیا کہ اب تلواروں کے بعد اور وہ بھی آپ کے ہاتھوں پر؟ چنانچہ آپ نے غصہ میں فرمایا۔ اللہ یہ اولاد کس قدر نافرمان ہوگئی ہے۔

موقف عبداللہ بن حکیم آپ حضرت طلحہ کے پاس آئے اور فرمایا کہ یہ تمھارے خطوط موجود ہیں کہ جن میں قتل حضرت عثمان کا حکم مذکور ہے۔ یہ آج کیا ہوگیا؟ آخر تم نے حضرت علی کی بیعت ہی کیوں کی تھی کہ آج یہ نوبت آگئی؟ یہ سنکر

حضرت طلحہ نے جواب دیا کہ اگر اس دن بیعت نہ کرتے تو آج یہ موقع نہ ملتا۔

موقف جشمی جس وقت یہ لشکر بصرہ کے قریب پہنچا اور لوگ جمع ہوئے تو جشمی نے قوم سے خطاب کیا۔ "اگر یہ لوگ پناہ گزیں ہیں تو مکہ جائیں پناہ وہاں ہے۔ اور اگر طالب انتقام ہیں تو ہم لوگ حضرت عثمان کے وارث نہیں ہیں لہٰذا انھیں واپس کردو۔ ورنہ بڑی عظیم لڑائیوں کا سامنا کرنا پڑے گا"۔ لیکن قوم نے آپ کی ایک نہ سنی۔

خطبہ حضرت عائشہ اس کے بعد آپ نے اہل بصرہ سے خطاب کیا۔ "اے قوم حضرت عثمان نے یقیناً غلطیاں کی تھیں لیکن بعد میں رفتہ رفتہ توبہ بھی کرلی تھی۔ پھر اس کے بعد بھی انھیں شہر حرام میں مظلوم ذبح کرڈالا گیا یاد رکھو قریش نے اپنی تباہی خود مول لی ہے۔ عنقریب ان کا خاتمہ ہوجائے گا۔ حضرت عثمان نے کوئی ایسا گناہ نہیں کیا تھا کہ جس سے ان کا خون حلال ہوجاتا یہ کیوں کر ممکن ہے کہ اس کے تازیانے کی مخالفت کی جائے۔ اور ان پر علم ہونے والی تلواروں کی مخالفت نہ کی جائے۔ اس قوم نے ان پر ظلم کرکے انھیں بے گناہ قتل کردیا اور پھر بلامشورہ حضرت علی کی بیعت کرلی ہے لہٰذا تم لوگ حضرت عثمان کے قاتلوں سے انتقام لو اور انھیں قتل کرنے کے بعد خلافت اس جماعت میں قرار دو کہ جس میں حضرت عمر نے مقرر کیا تھا"۔

تاریخوں میں ہے کہ اس خطبہ کے بعد شدید اختلاف پھیل گیا بعض نے تائید کی اور بعض نے کہا کہ اس عورت کو گھر میں بیٹھنا چاہئے۔ یہاں تک کہ طرفین میں جوتے چل گئے اور جماعت دو حصوں میں تقسیم ہوگئی فریق حضرت عائشہ اور فریق عثمان بن حنیف۔

آغاز جنگ صبح ہوتے ہی طرفین سے جنگ کی تیاریاں شروع ہوگئیں۔ ادھر عثمان بن حنیف حضرت عائشہ کے پاس گئے اور انھیں خدا و اسلام کا واسطہ دیا پھر حضرت طلحہ و زبیر کے پاس گئے اور ان سے ذکر کیا کہ تم تو حضرت عثمان کے مخالفین میں تھے تم نے حضرت علیؑ کی بیعت کی تھی۔ اب کیا ہوگیا؟ ان لوگوں نے قصاص کا

ذکر کیا آپ نے فرمایا کہ اصل یہ ہے کہ تم طالب خلافت تھے۔ وہ تمھیں نہیں ملی۔ اس لے تم نے یہ صورت اختیار کی ہے۔ ان لوگوں نے ماں کی گالی دے دی۔ آپ نے فرمایا کہ زبیر کی ماں تو حضرت صفیہ ہے اس لے میں مجبور ہوں البتہ طلحہ کی ماں تو وہ ——— ہے۔ یہ کہہ کر آپ نے حملہ کردیا اور اس طرح ایک شدید مقابلہ کے بعد طرفین میں صلح ہوگئی۔ اور یہ طے پایا۔ کہ جب تک امیرالمومنین نہ آجائیں اس وقت تک کوئی جنگ نہ ہو۔ لیکن حضرت طلحہ و زبیر اور حضرت عائشہ نے خفیہ طور پر شیوخ عرب سے گفتگو اور مراسلت شروع کردی۔ اور اس طرح جب ایک لشکر کو اپنا ہمخیال بنالیا تو ایک اندھیری رات میں سب اندر سے زرہ پہن کر دروازہ مسجد پر پہنچ گئے۔ جناب عثمان نماز صبح کے لے کھڑے ہوئے تو قوم نے انھیں ہٹا کر حضرت زبیر کو آگے بڑھا دیا۔ پولیس نے اسے ہٹادیا۔ اور اس طرح نزاع شروع ہوگئی۔ یہاں تک کہ طلوع آفتاب کا وقت ہوگیا تو حضرت زبیر کو مقدم کردیا گیا اور نماز ہوگئی۔ اس کے بعد عثمان اور ان کے ۷۰ سباہی گرفتار کرکے حضرت عائشہ کے پاس لائے گئے۔ حالت یہ تھی کہ ان جانوروں نے حضرت عثمان کے تمام جسم کے بال نوچ ڈالے تھے۔ حضرت عائشہ نے دیکھکر سب کے قتل کا حکم سنادیا۔ عثمان نے کہا کہ آپ کو معلوم ہونا چاہے کہ میرا بھائی مدینہ میں ہے اگر میں قتل ہوگیا تو آپ کے خاندان کی خیر نہیں ہے۔ یہ سنکر لوگوں نے آپ کو چھوڑ دیا۔ لیکن سپاہیوں کو بری طرح ذبح کردیا۔ یہ کام عبداللہ بن زبیر نے بحکم حضرت عائشہ سرانجام دیا۔ اس کے بعد لوگوں نے بیت المال کا رخ کیا۔ وہاں کے معین سپاہیوں نے مدافعت کی لیکن آخر کار انھیں بھی گرفتار کیا گیا اور وہ ۵۰ افراد بھی تہ تیغ کردے گئے۔ تاریخ شاہد ہے کہ اسلام میں غداری اور بیدردی سے قتل کا یہ پہلا واقعہ تھا جس میں بقول ابن ابی الحدید ۴۰۰ مسلمانوں کا خون بہایا گیا۔ عثمان کو شہربدر کردیا گیا۔ آپ حضرت علی کی خدمت میں روتے ہوئے پہنچے اور شکایت کی۔ حضرت نے کلمہ استرجاع پڑھ کر بارگاہ الٰہی میں قوم کی حالت کا شکوہ کرتے ہوئے عرض کیا۔ مالک! یہ قریش میری مخالفت پر آمادہ ہوئے۔ میرا حق غصب

کیا اور اب حرم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لے کر میدان تک میں آگئے ہیں اپنے ازواج کو گھر میں رکھا ہے اور زوجہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میدان جنگ میں ان امور کی فریاد کرتا ہوں۔ اور تیری مدد کا طالب ہوں۔ افسوس کہ ان دونوں نے کل بخوشی میری بیعت کی تھی اور آج اس طرح میری مخالفت کررہے ہیں کہ میرے سپاہیوں اور میرے چاہنے والوں کو بیدردی سے قتل کررہے ہیں۔

موقف حکیم بن جبلہ جب آپ کو ان مظالم کی خبر ملی تو آپ ۳۰۰ آدمیوں کو لے کر نکل پڑے۔ ادھر سے حضرت عائشہ کی فوج نے مقابلہ کیا۔ اور طرفین میں شدید جنگ ہوئی اتفاقا ایک ازدی نے آپ کا ایک پیر قطع کردیا۔ آپ نے اسے اٹھا کر ازدی کو ماردیا وہ گرا اور آپ کھسکتے ہوئے اس کے قریب پہنچ گئے اور اسے دبا کر ختم کردیا۔ ایک شخص نے یہ عالم دیکھ کر آپ سے سوال کہ یہ کس نے کیا؟ فرمایا کہ میرے تکیہ نے! اس نے دیکھا تو معلوم ہوا کہ آپ ازدی کو دبائے ہوئے ہیں۔ لیکن اس کے بعد آپ مع پوری جماعت کے شہید کردیئے گئے اور بصرہ کا میدان صاف ہوگیا۔ یہ واقعہ جمل اصغر کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے بعد طلحہ و زبیر میں امامت جماعت کا اختلاف پھیلا تو حضرت عائشہ نے یہ حکم دیا کہ ایک ایک دن امامت کریں۔ پھر جب بیت المال کا مال ہاتھ ایا تو زبیر نے آیت پڑھی۔ "اللہ نے تم سے مال غنیمت کا وعدہ کیا تھا۔ اور یہ جلدی ہی عطا کردیا" اور کہا کہ اہل بصرہ سے زیادہ اس مال کے حقدار ہم ہیں۔ (شرح النہج ج ۲ ص ۵۰۱)

اس کے بعد حضرت علیؑ وارد بصرہ ہوئے۔ آپ کے پہنچتے ہی حضرت عائشہ نے یہ کوشش کی کہ اپ کو روک دیں۔ لیکن آپ نے نہایت ہی خندہ پیشانی سے ان لوگوں سے گفتگو فرمائی۔ اور اس طرح داخل بصرہ ہوگئے۔ آپ کی نرم کلامی کا منظر طبری نے کھینچا ہے۔ کہ آپ نے حضرت زبیر خو بلا کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ حدیث یاددلائی جس میں آپ نے حضرت زبیر سے کہا تھا کہ تم اپنے بھائی سے جنگ کرکے اس پر ظلم کروگے۔ تو زبیر نے قسم کھالی کہ جنگ نہ کروں گا۔ اور پھر پلٹ کر

اپنے بیٹے سے ذکر کیا۔ کہ اس جنگ میں کوئی عقلمندی نہیں ہے اس نے کہا کہ مکہ سے بصیرت تھی اور اب ڈر گئے۔ اس کو غصہ آگیا اور کہنے لگا کہ میں نے قسم کھالی ہے۔ بیٹے نے جواب دیا کہ کفارہ میں اپنے غلام سرجس کو آزاد کردیجئے۔ اس نے غلام آزاد کردیا۔ اور مقابلہ کے لیے آمادہ ہوگیا۔ آپ نے زبیر سے یہ بھی فرمایا تھا کہ خون حضرت عثمان کا قصاص لینا چاہتا ہے۔ حالانکہ واقعی قاتل تو ہے۔ پھر آپ نے حضرت طلحہ کو نصیحت فرمائی کہ زوجہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سرمیدان لے آیا اپنے ناموس کو گھر میں چھوڑ آیا۔ آخر تو نے کل تو میری بیعت کی تھی۔ لیکن اس نے کوئی سماعت نہ کی۔ پھر آپ نے اپنی قوم سے خطاب فرمایا۔ "کوئی ایسا ہے جو قرآن کو ان کے سامنے پیش کرے۔ اور اگر ایک ہاتھ قلم ہوجائے تو اسے دوسرے ہاتھ سے اٹھائے اور اگر دونوں ہاتھ قلم ہوجائیں تو اسے دانت سے سنبھالے"۔ ایک نوجوان تیار ہوگیا۔ اور قرآن کریم لے کر گیا۔ ان لوگوں کو قرآن سے دعوت فیصلہ دی۔ انھوں نے اس کے دونوں ہاتھ قلم کردیئے۔ اس مجاہد نے دانت سے قرآن سنبھالا۔ لیکن آخر کار شہید ہوگیا۔ اس وقت آپ نے اپنی فوج سے اعلان کردیا۔ کہ اب جنگ جائز ہوگئی ہے۔ اس نوجوان کی ماں کا مرثیہ بھی طبری میں مذکور ہے۔

اس کے بعد خود نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پردہ نشین محترمہ میدان جنگ میں آئیں تیور بدلے ہوئے شیرانہ حملوں کا قصد دل میں لیے ہوئے۔ جوانوں کو جوش دلاتی ہوئیں صفوں کے درمیان کھڑی ہوئیں۔ بائیں طرف خطاب کیا یہ کون ہیں؟ سب نے جواب دیا بنوازد آپ نے داد شجاعت دی۔ ان لوگوں نے اونٹ کی مینگنی کو سونگھ کر مشک سے بہتر بتایا۔ پھر دائیں جانب رخ کیا۔ یہ کون؟ سب نے کہا قبیلہ بکربن وائل۔ فرمایا تمھاری شجاعت تو شہرہ آفاق ہے۔ پھر سامنے نظر کی۔ یہ کون؟ سب نے عرض کیا بنوناہیہ! فرمایا تمھاری تلواروں کا لوہا تو دنیا مانے ہوئے ہے۔ اس کے بعد آپ نے جنگ پر سب کو بھینٹ چڑھادیا۔ لیکن اسطرح کہ مہارناقہ کی حفاظت ہوتی رہے۔ چنانچہ ۴۰ پہلوان اسی حفاظت میں ختم ہوگئے۔ اور آخر کار ناقہ پے ہوگیا۔ اب اس

کے بعد آپ لاوارث ہوگئیں۔ سچ تو یہ ہے کہ اگر آج حضرت علیؑ کی غیرت نے آپ کا تحفظ نہ کیا ہوتا تو کیا ہوتا؟ یہ تو خدا کو معلوم ہے۔ ہاں اتنا ضرور ہوا کہ آپ کے اس جہاد کے زیر اثر صفین و نہروان و کربلا کے حوادث رونما ہوگئے۔ جناب امیر نے گرتے ہوئے ہودج کے تحفظ کا انتظام کیا۔ محمد بن ابی بکر کو چند محترم عورتوں کے ساتھ متعین فرمایا اور اس طرح اپنی مکمل روحانی عظمت و شرافت کو دشمن کے سامنے ظاہر کردیا۔ مزید یہ کہ آپ نے تمام گرفتار شدگان کو بھی رہا فرمادیا۔

یہی واقعہ وہ ہے جسے جمل اکبر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ ۱۰ جمادی الاخری سنہ ۳۶ ہجری کو رونما ہوا تھا۔ اس واقعہ میں ۱۳ ہزار حضرت عائشہ کے سپاہی اور تقریبا ایک ہزار علوی مجاہد کام آئے۔

نقد و نظر اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ حضرت عائشہ کو امیرالمومنین علیہ السلام کی شخصیت کا مکمل علم تھا آپ کو یہ بھی معلوم تھا کہ یہ برادر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وصئ نبی اور ہارون محمدی ہیں۔ پھر حجتہ الوداع میں آپ نے یہ بھی سن لیا تھا کہ یہ عدیل قرآن اور مولائے امت ہیں آپ کو یہ بھی معلوم تھا کہ ان سے جنگ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جنگ اور ان سے صلح رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صلح ہے۔ جس کے شاہد امام احمد حاکم طبرانی ترمذی اصابہ وغیرہ ہیں۔ خود آپ کے باپ کی روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان حضرات سے جنگ کو اپنی جنگ سے تعبیر فرمایا تھا۔ اور یہ فرمایا تھا کہ ان کا دوست حلالی اور ان کا دشمن ---- ہے۔ (عبقریتہ محمد عقاد)

کیا ان حقائق و معارف کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت عائشہ اس اجر آخرت اور ثواب کی طلب میں گھر سے نکلی تھیں۔ جسے اللہ نے صالح زوجات رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لے مہیا کیا ہے۔ یا یہ کہا جائے کہ انھوں نے اللہ سے کوئی قرار داد کرلی تھی۔ کہ وہ ان سے اس عذاب کو اٹھا لے گا۔ جس سے ازواج رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تہدید و تخویف کی ہے؟ یا یہ تصور کیا جائے کہ آپ

نے اپنے خروج کو اللہ کی اطاعت اور عمل صالح کا درجہ دیا تھا جس پر اللہ نے ازواج سے رزق کریم کا وعدہ کیا ہے۔ یا آپ اس تقوی کی تمثیل پیش کرنے آئی تھیں کہ جس پر زوجۂ رسول کی عظمت کا دارو مدار تھا؟ یا اللہ نے آپ کو ابن عبہ کے گھر ہی میں قرار کا حکم دیا تھا۔ یا لشکر کی سرداری ہی کو بناو سنگار کی مخالفت اور اطاعت کی مصروفیت کہتے ہیں یا یہ ادائے اوامر و نواہی کا کوئی انوکھا انداز تھا جو آپ نے اختیار کیا تھا؟ مسلمانوں کا کیا خیال ہے اس خطاب کے بارے میں جس میں قرآن نے آپ کو کج دل کجرو سے تعبیر کیا ہے۔ اور یہ تہدید کی ہے کہ ممکن ہے کہ اللہ تمھارے طلاق کے بعد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معقول ازواج عطا کردے۔ کیا زوجۂ نوح و لوط کی مثالیں عبرت کے لیے کافی نہیں ہیں کہ جہاں صرف خیانت پر زوجیت کے فوائد منقطع کردیئے گئے ہیں۔

مورد نماز قصر سابق میں آیات محکمات و روایات و اضحات سے ثابت کیا جاچکا ہے کہ سفر میں نماز قصر ہوجاتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود آپ نے نماز تمام پڑھی۔ مزید لطف یہ ہے کہ مسلم میں قصر کی روایت آپ کی طرف بھی منسوب ہے۔

مورد تزویج اسماء بنت النعمان مستدرک حاکم طبقات ابن سعد وغیرہ میں یہ روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت اسماء سے عقد کرنے کے بعد ابی اسید سے کہا کہ انھیں لے آو۔ وہ رخصت کراکر لے آئے۔ اب حضرت عائشہ و حفصہ نے ان کے بالوں میں کنگھی کی خضاب لگایا اور پھر ان سے کہہ دیا کہ وقت قرابت کلمۂ اعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت پسند ہے۔ چنانچہ جب آپ قریب تشریف لے گئے تو انھوں نے کئی مرتبہ یہی کلمہ جاری کیا۔ آپ غصہ میں باہر نکل آئے اور ابواسید سے کہہ کر انھیں واپس کردیا۔ وہ زندگی بھر اپنے آپ کو بدبخت کہتی رہیں۔

مورد اتہام بر ابراہیم و حضرت ماریہ ایک دن حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابراہیم کو لیئے ہوئے حضرت عائشہ کے پاس گئے۔ حضرت ابراہیم

حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہت مشابہ تھے۔ حضرت عائشہ نے آپ کو بدظن کرنے کے لیئے کہہ دیا کہ ان کو آپ سے کوئی مشابہت حاصل نہیں ہے لیکن جناب امیر نے اس قول کو رد کردیا۔ (مستدرک۔ تلخیص)

مورد یوم المغافیر حضرت عائشہ راوی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت زینب بنت جحش کے پاس بیٹھ کر شہد نوش فرمایا کرتے تھے۔ ایک دن ہم نے اور حضرت حفصہ نے طے کیا کہ جب آپ باہر آئیں تو کہہ دیں کہ آپ نے گوند کھائی ہے۔ چنانچہ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا گیا آپ نے فرمایا میں شہد کھایا ہے لیکن اب آئیندہ ترک کردوں گا لہٰذا کسی کو اطلاع نہ ہونے پائے۔

مورد حکم توبہ ظاہر ہے کہ خود حکم توبہ ان کے گناہوں پر دلیل ہے۔ پھر قرآن کریم نے کھلے لفظوں میں ان کی کجروی اور کجدلی پر نص کردی ہے۔

مورد مقابلہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن کریم کا حکم ہے کہ اگر یہ دونوں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مقابلہ کریں گی تو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ناصر اللہ و جبرئیل اور صالح المومنین ہیں۔ عبید بن حنین کہتے ہیں کہ مجھ سے ابن عباس نے بیان کیا کہ میں ایک آیت کے لیے سال بھر فکر کرتا رہا۔ کہ حضرت عمر سے پوچھ لوں۔ لیکن موقع نہ مل سکا۔ اتفاقا ایک مرتبہ حج کے دوران موقع مل گیا۔ تو پہلے ہی میں نے یہ پوچھا۔ کہ ان دونوں سے مراد کون ہیں؟ فرمایا عائشہ و حفصہ۔ صحیح البخاری ا ص ۳۴۳۔ ظاہر ہے کہ قرآن کریم نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد کا اتنا عظیم انتظام کسی مقام پر نہیں کیا ہے۔ خواہ تمام عالمین ہی مقابلہ پر کیوں نہ آجائیں۔ اس اہتمام سے مقابل کی نفسانی کیفیت کا صاف اندازہ ہوتا ہے۔

مورد تمثیل قرآنی قرآن کریم نے آخر سورہ تحریم میں زوجہ نوح و لوط اور زوجہ فرعون کی مثال دے کر واضح کردیا ہے کہ زوجیت کسی وقت بھی مفید نہیں ہوسکتی جب تک کہ عمل صالح ساتھ نہ ہو۔ بلکہ نفس کی کجی اور خیانت تو جملہ شرافتوں کو ختم کردینے والی چیز ہے۔

مورد نسبت شراف حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دحیہ کلبی کی بہن شراف سے عقد کرنا چاہا تو حضرت عائشہ کو دیکھنے کے لیے بھیجا۔ آپ پلٹ کر آئیں تو فرمایا کہ کوئی نتیجہ نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تم ان سے جلتی ہو۔ تم نے غلط بیانی کی ہے۔ انھوں نے عرض کیا کہ آپ سے تو کوئی بات چھپتی ہی نہیں۔ (کنزا لعمال ج ۶ ص ۲۹۴ طبقات ابن سعد)

مورد مخالفت رسول صلعم حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے اپنے باپ کے بارے میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بحث کی۔ اور کہہ دیا کہ آپ انصاف کریں۔ تو میرے باپ نے ایک طمانچہ مار کر مجھے تنبیہ کی اس طرح کہ میری ناک سے خون جاری ہوگیا۔ (کنزا لعمال احیاء القلوب)

مورد جسارت ایک دن حضرت عائشہ کو غصہ آگیا۔ تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمانے لگیں کہ آپ کو خیال ہے کہ آپ نبی ہیں۔ (احیاء القلوب ج ۲ ص ۳۵ مکاشفتہ القلوب ص ۲۳۸)

مورد ذم عثمان کسی مورخ و سیرت نگار کو اس میں شک نہیں ہے کہ قتل عثمان کے سلسلے میں آپ نے بڑے جہاد کئے ہیں بڑی زحمتیں برداشت کی ہیں چنانچہ ابن ابی الحدید کہتا ہے کہ ہر مصنف نے اس بات کو ذکر کیا ہے کہ آپ حضرت عثمان کی سخت مخالف تھیں۔ یہاں تک کہ آپ نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیراہن نکال کر فریاد کی اور ان کو نعثل و کافر کہہ کر لوگوں کو ان کے قتل کی دعوت دی۔ مدائنی نے کتاب الجمل میں نقل کیا ہے کہ وقت قتل حضرت عثمان آپ مکہ میں تھیں۔ جب آپ کو خبر ملی تو خوش ہوئیں۔ لیکن جب اطلاع ہوئی کہ خلافت طلحہ کو نہیں ملی تو حضرت عثمان کا نوحہ شروع کردیا۔ آپ کے اقدامات کی تفصیل گزر چکی ہے آپ کے کلمات میں ایک جملہ یہ بھی ہے کہ اب خلافت بنی تیم میں نہ جاسکے گی۔ آہ!

مورد احادیث عائشہ آپ نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو احادیث نقل کیے ہیں۔ وہ قابل دید ہیں۔ بخاری وغیرہ نے آپ سے روایت کی ہے

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی کی ابتداء خواب سے ہوئی پھر آپ تخلیہ میں جاتے تھے اور ملک وحی لاتا تھا۔ ایک دن غار حرا میں ملک نے آکر کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پڑھو۔ حضرت نے اپنے ان پڑھ ہونے کا عذر کیا۔ اس نے خوب زور سے دبایا۔ اور کہا کہ اب پڑھو۔ آپ نے پھر عذر کیا اس نے پھر دبایا۔ یہاں تک کہ تیسری مرتبہ اقراء پڑھ لیا۔ اور ہانپتے کانپتے حضرت خدیجہ کے پاس آئے آپ نے تشفی دی۔ اور ورقہ بن نوفل نصرانی کاتب انجیل کے پاس لے گئیں اس نے سنکر کہ یہی ناموس الٰہی ہے جو حضرت موسیٰؑ پر نازل ہوا تھا کاش میں اس وقت تک زندہ رہتا جب تمھاری ہی قوم تم کو وطن سے نکال دے گی۔ (بخاری مسلم ترمذی نسائی)

اقول اس روایت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رسالت قرآن ملک سب ہی میں شک تھا جس کے ازالہ کے لے ایک مددگار زوجہ اور تسلی دینے والے نصرانی کی ضرورت تھی۔ (معاذ اللہ) ہم نے روایت میں بہت ہی غور کیا لیکن اس ملکوتی شدت کا کوئی سبب نظر نہیں آیا۔ جبکہ یہ حالت تاریک میں سوائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی اور نبی کے لیئے درج نہیں کی گئی۔ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ملک کا مطلب سمجھنے سے بھی قاصر تھے۔ ملک کا مقصد تھا کہ ہمارے ساتھ پڑھو۔ اور آپ اس سے یہ سمجھے کہ خود سے پڑھنے کا حکم ہے۔ جو کہ بناء بر روایت محال تھا۔ کیا نبی کی یہی شان ہے؟ معلوم ہوا کہ روایت مضمون اور سند دونوں کے اعتبار سے ساقط ہے۔ سند کے لیئے لطیفہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ کی ولادت بعثت کے کم از کم ۴ برس بعد ہوئی ہے۔ اور روایت پیدائش کے پہلے کی ہے۔ یہ خیال نہ ہو کہ آپ نے کسی سے سنکر بیان کیا ہوگا۔ اس لیئے کہ اس صورت میں جب تک واسطہ نہ معلوم ہو روایت بے کار ہوا کرتی ہے۔ کیونکہ منافقین اس وقت تک بالاتفاق موجود تھے۔ یہ اور بات ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کے ساتھ ہی صحابہ سے نفاق ختم ہو گیا۔

تاویلات

حضرت خالد

مورد فتح مکہ اہل سیر و مسانید کا اتفاق ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر قتل و غارت کی شدید ممانعت فرمادی تھی۔ بالخصوص خالد و زبیر کو آپ نے تنبیہ بھی فرمادی تھی۔ لیکن اس کے باوجود حضرت خالد نے ۲۰ سے زیادہ قریش اور ۴ بنی ہذیل کو تہ تیغ کردیا۔ چنانچہ جب حضرت داخل مکہ ہوئے اور آپ نے ایک عورت کو مقتول پایا تو آپ نے قاتل کے بارے میں سوال کیا۔ لوگوں نے حضرت خالد کا نام بتایا۔ آپ نے فرمایا کہ خالد کو فورا منع کردو کہ عورتوں اور بچوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ (عبقریہ عمر عقاد ص ۲۶۶)

مورد یوم جذیمہ فتح مکہ کے بعد حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خالد کو بنی جذیمہ کے پاس دعوت اسلام کی غرض سے روانہ کیا۔ لیکن چونکہ انھوں نے جاہلیت میں خالد کے چچا خاکہ بن مغیرہ کو قتل کردیا تھا۔ اس لیئے اس نے بلا تکلف ان لوگوں سے اسلحہ رکھوا کر انھیں زبردستی تہ تیغ کردیا۔ جب حضرت کو اس کی خبر ملی تو آپ نے بارگاہ احدیت میں خالد کے عمل سے برات و بیزای کا اظہار فرمایا۔ (بخاری ج ۳ ص ۴۸ مسند احمد)

اس کے بعد حضرت علی کو بھیج کر ایک مال کثیر سے ان سب کی دیت ادا کرائی۔ آپ نے بھی صغیر و کبیر شریف و حقیر سب کی دیت ادا کی اور پھر باقی ماندہ مال بھی انھیں کے حوالہ کردیا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی تو آپ نے اس عمل کا استحسان کیا۔ طبری کامل استیعاب۔

عقاد نے اس واقعہ کو بھی عبقریہ عمر میں نقل کیا ہے جس کا تتمہ یہ ہے کہ حضرت نے سوال کیا کہ خالد کو کسی نے اس عمل سے روکا یا نہیں؟ تو بنی جذیمہ کے ایک

مغرور آدمی نے دو شخصوں کا حوالہ دیا جس سے مراد بقول حضرت عمر عبدا للہ بن عمر اور سالم تھے۔ حضرت خالد کی حکم کے مطابق جملہ اسیر قتل کیے گئے لیکن ان دونوں نے اپنے اسیروں کو رہا کردیا۔ حضرت نے اس خبر کے بعد حضرت خالد سے برات کی اور حضرت علی کے ذریعہ سب کی دیت ادا کرائی۔

اقول دیت کہ علت شاید یہ تھی کہ ان لوگوں کا اسلام بالکل واضح نہ تھا ورنہ مسلمان کے مقابلہ میں مسلمان سے قصاص ہوتا نہ کہ دیت حضرت خالد کے کارنامے بطاح کے سلسلے میں ذکر ہو چکے ہیں۔ ناظرین بغور مطالعہ کریں۔ اور یہ دیکھیں کہ خلیفہ اول نے کن بنیادوں پر اس کی موافقت کی تھی اور خلیفہ ثانی کا معیار موافقت کیا تھا؟ اور انھوں نے خلافت کے بعد فورا ہی اسے کیوں معزول کردیا تھا؟ حضرت عمر کی مخالفت کا تو یہ عالم تھا کہ آپ نے حضرت خالد کو کبھی کوئی درجہ نہیں دیا۔ البتہ ایک مرتبہ قنسرین پر حاکم بنادیا تو وہاں اس نے اشعث بن قیس کو ۱۰ ہزار کی اجازت دے دی اور جب آپ کو معلوم ہوا تو آپ نے حمص کے حاکم ابو عبیدہ کو لکھا کہ خالد کو ایک پیر پر کھڑا کرو اور دوسرا پیر عمامہ سے باندھ دو۔ اور پھر سب کے سامنے اس کی کلاہ اتار لو تاکہ اس کو اس عمل کی برائی کا اندازہ ہوسکے۔ اس لیئے کہ یہ مال اگر اپنے پاس سے دیا ہے تو اسراف ہے اور اگر امت کا مال ہے تو خیانت ہے۔ ان تمام باتوں کے بعد اسے معزول کردو اور تم حکومت کرو۔ حضرت ابوعبیدہ نے حضرت خالد کو طلب کیا اور مسجد میں یہ سوال کیا۔ اس نے سکوت اختیار کیا حضرت ابوعبیدہ بھی چپ ہوگئے۔ لیکن بلال نی جب حسب نصیحت حضرت عمر اسے باندھ دیا اور پھر سوال ہوا۔ اس نے کہا کہ میں نے اپنے مال سے دیا ہے۔ یہ سنکر حضرت ابوعبیدہ نے اسے چھوڑ دیا۔ اور پھر اپنے ہاتھ سے عمامہ باندھ دیا لیکن معزولی کی اطلاع نہ دی۔ پھر جب ایک عرصہ تک حضرت خالد واپس نہ ہوئے تو حضرت عمر نے براہ راست لکھ کر اسے معزول کردیا اور پھر کوئی عہدہ نہیں دیا۔ اس واقعہ کو اسی طرح عقاد نے عبقریہ عمر میں نقل کیا ہے۔

اقول   ایسا ہی ایک واقعہ حضرت ابوبکر کے زمانہ کا ہے۔ جب حضرت خالد نے مرتدین کو جلادیا تھا تو حضرت عمر نے اعتراض کیا تھا کہ یہ عذاب خدا ہے۔ تو حضرت ابوبکر نے یہ کہا تھا کہ یہ اللہ کی تلوار ہے۔ (کنزالعمال   طبقات   سنن ابن ابی شیبہ)

حضرت عمر کی زندگی کا مطالعہ کرنے سے صاف واضح ہوجاتا ہے کہ آپ نے اپنی زندگی میں کبھی کسی باوقار آدمی کو سر اٹھانے کی رخصت نہیں دی جس کی تفصیل سابق میں گزر چکی ہے۔

NAJAFI CASSETTE LIBRARY
(BOOKS SECTION)
Baitul Sa... opp. Nishter Park
Soldier Bazar, Karachi.

تاویلات

حضرت معاویہ

مورد الحاق زیاد واقعہ یہ ہے کہ حضرت معاویہ نے زیاد کو اپنے نسب میں اس دعویٰ سے شامل کرلیا کہ میرے باپ حضرت ابوسفیان نے سمیہ کے ساتھ زنا کیا تھا۔ اس کے نتیجہ میں زیاد کی ولادت ہوئی تھی اور اس پر ابوحریم نے شہادت بھی دی تھی۔ حالانکہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صراحتا اس امر پر دلالت کررہی ہے کہ لڑکا صاحب فراش کا ہوتا ہے اور زانی کی قسمت میں صرف پتھر ہیں۔

یہ وہ جاہلی عمل تھا کہ جس پر مسلم اکثریت نے اعتراض بھی کیا لیکن حضرت معاویہ نے کوئی پرواہ نہ کی۔ بلکہ اس شخص سے نفرت شروع کردی جس نے زیاد کو اس کا بھائی تسلیم نہ کیا۔ جیسا کہ شاعر نے کہا ہے اسے معاویہ اپنے باپ کی عفت سے نالاں ہے اور اس کے زنا سے راضی۔

مورد خلافت یزید حضرت معاویہ باوجودیکہ یزید کی حیثیت اور اس کے کردار سے واقف تھا لیکن اس نے یزید کو اپنا خلیفہ بنادیا جبکہ اس وقت سبط رسول صلعم حضرت امام حسین علیہ السلام کے علاوہ اکثر مہاجرین و انصار علماء و قراء بھی موجود تھے۔ کہ جو جمہوری قانون کی بناء پر مستحق خلافت تھے۔ اس استخلاف کا نتیجہ یہ ہوا کہ یزید نے کربلا میں وہ واقعہ ایجاد کیا کہ جس نے انبیاء و مرسلین کے ساتھ پتھروں کو بھی خون کے آنسو رلادیا۔ اور پھر اپنے باپ کی وصیت کی بناء پر (مسلم) بن عقبہ کے ذریعہ مدینہ طیبہ کو تاراج کرادیا۔ یہا تک کہ مورخین کے بیان کے مطابق ایک ہزار لڑکیوں کی عفت پر حملہ کیا گیا اور ۱۰۷۸۰ نفوس تلف کیے گئے۔ بچوں اور عورتوں کا خون بھی حلال کرلیا گیا۔ اور بعض روایات کی بنا پر سپاہیوں نے شیر خوار بچوں کو ماں کی گود سے لے کر دیوار پر اس طرح ماردیا کہ اس کا دماغ پاش پاش ہوگیا۔ پھران تمام

مظالم کے بعد اہل مدینہ سے غلامی کی بیعت لیکر ان کے سرامیر کے پاس روانہ کردیے گئے۔ اور جب اس نے سر دیکھے تو مارے خوشی کے اشعار گنگنانے لگا۔ یہی نہیں بلکہ اس کے بعد مجرم نے مکہ کا رخ کیا۔ تاکہ ابن زبیر سے مقابلہ کرے۔ اتفاقا اثناء راہ میں واصل جہنم ہوگیا۔ تو حصین بن نمیر نے قیادت سنبھالی۔ اور اس نے بھی مکہ معظمہ کو تباہ کرکے خانہ کعبہ کا غلاف جلادیا۔ اس پر منجنیق سے پتھراو کیا۔ یہ وہ کارنامے ہیں کہ جو صفحہ کاغذ پر لکھنے کے قابل نہیں ہیں۔ بلکہ یہ تو قلب تاریخ اور سینہ گیتی پر نقش ہیں۔

افسوس کہ حضرت معاویہ نے باوجود اس علم کے کہ یزید شراب خواد قمارباز زناکار اور فاسق و فاجر ہے اسے تخت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وارث بنادیا جبکہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صراحتا اعلان کررہی تھی کہ جو حاکم رعیت کے ساتھ خیانت کرے گا اس پر جنت حرام ہے۔ (بخاری ج ۴ ص ۱۵۰) جو حاکم دوسرے کو بلاوجہ شرعی حاکم بنادے گا اس پر اللہ کی لعنت اور وہ جہنمی ہے۔ (مسند احمد) جو رعیت کا نگران ہوگا اور ان کو نصیحت نہ کرے گا وہ بوئے جنت سے محروم رہے گا۔ (بخاری)

مورد مظالم یمن سنہ ۴۰ ہجری میں حضرت معاویہ نے بسر بن ارطاہ کو یمن روانہ کیا تاکہ وہ وہاں تباہی و بربادی برپا کرے۔ چنانچہ وہ لشکر لے کر وہاں پہنچا۔ عبیداللہ بن عباس وہاں جناب امیر کی طرف سے حاکم تھے۔ یہ دیکھکر انھوں نے اپنے بچوں کو نانا کے سپرد کیا اور خود فرار ہوگئے ادھر اس منحوس لشکر نے قتل و غارت کے ساتھ ہمدان کی لڑکیوں کو گرفتار کرکے انھیں سربازار فروخت کرنا شروع کیا۔ (استیعاب) اس کے بعد ابن عباس کی خسر کو قتل کرکے ان کے بچوں کو تلاش کیا۔ وہ ایک شخص کے پاس ملے۔ ان لوگوں نے انھیں قتل کرنا چاہا۔ اس نے مدافعت کی تو پہلے اسے قتل کیا۔ اس کے بعد بچوں کو ماں کے سامنے تہ تیغ کردیا۔ جس کے زیر اثر زوجہ ابن عباس کا دماغ مختل ہوگیا۔ (استیعاب) یہاں تک کہ یہ منظر دیکھ کر ایک عورت نے بسر سے کہا

کہ ایسا عمل تو جاہلیت میں بھی نہ تھا خدا کی قسم جس سلطنت کی بنیاد ان مظالم پر ہو وہ بدترین سلطنت ہے۔ (فصول مہمہ)

مورد قتل صالحین معاویہ کے مظالم کے لے اتنا کافی ہے کہ اس نے فرزند رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زہر سے شہید کرادیا جیسا کہ ابوالحسن (۱) مدائینی لکھتا ہے۔ امیر شام معاویہ نے جعدہ بنت اشعث سے یہ وعدہ کیا کہ اگر وہ امام حسن علیہ السلام کو قتل کردے تو ایک لاکھ انعام دے گا اور یزید سے عقد بھی کردیگا۔ اس نے آپ کو زہر دے دیا۔ لیکن امیر شام معاویہ نے مال تو دے دیا البتہ عقد سے یہ کہہ کر انکار کردیا کہ مجھے یزید کی جان پیاری ہے۔ حصین بن منذر کا کہنا ہے کہ حضرت معاویہ نے حضرت حسن علیہ السلام کے ساتھ کسی ایک شرط پر بھی عمل نہیں کیا۔ چنانچہ حجر اور ان کے اصحاب کو قتل کیا۔ یزید کو خلافت دی۔ اور خود امام حسن علیہ السلام کو زہر دلادیا۔ ابوالفرح اصفہانی مقاتل الطالبین میں لکھتا ہے کہ امیر شام معاویہ کے سامنے یزید کے مقابل دو قوتیں تھیں۔ امام حسن علیہ السلام سعد بن ابی وقاص اس نے دونوں کو زہر دلادیا۔

صاحب استیعاب نے لکھا ہے کہ امام حسن کو بنت اشعث نے زہر دیا ہے اور بعض کا خیال ہے کہ اس کا محرک معاویہ تھا۔

اس حادثہ کے بعد دوسرا اہم حادثہ وہ ہی کہ جس میں حجر بن عدی اور ان کے اصحاب کو سنہ ۵۱ ہجری میں تہ تیغ کیا گیا۔ صرف اس جرم میں کہ ان حضرات نے حضرت علیؑ پر لعنت نہیں کی۔ یہی وہ واقعہ تھا کہ جس پر تمام اصحاب و تابعین نے اس کی مذمت کی ہے اور تمام مورخین نے اسے نقل کیا ہے۔ اس کے بعد ایک ظلم یہ ہوا کہ عمر بن الحمق الخزاعی کو صرف حضرت علی کی محبت کے جرم میں قتل کرکے ان کا سر نیزہ پر بلند کردیا کہ جو تاریخ اسلام کا پہلا واقعہ تھا۔

یہ سلسلہ اسی مقام پر ختم نہیں ہوا بلکہ تاریخ میں یہاں تک موجود ہے کہ اگر

(۱) شرح النہج ج ۴ ص ۴

کسی سے یزید کی خلافت کے سلسلہ میں اندیشہ پیدا ہوگیا تو اس کا فورا خاتمہ کردیا۔ خواہ وہ اپنا خاص دوست اور ہمدرد ہی کیوں نہ رہا ہو۔ جس کا شاہد عبدالرحمن بن خالد قتل ہے کہ جو تاریک میں آج تک نمایاں ہے۔

مورد افعال قبیحہ حقیقت امر یہ ہے کہ اگر معاویہ کے افعال قبیحہ اور اعمال شنیعہ کی فہرست تیار کی جائے تو شاید سمندروں کی سیاہی ختم ہوجائے انسانوں کے ہاتھ تھک جائیں اور یہ سلسلہ ختم نہ ہوسکے۔ یہی کیا کم ہے کہ اس شخص نے امت اسلامیہ کی گردن پر ابن شعبہ، ابن عاص، ابن سعید، ابن ارطاہ، ابن جذب، مروان، ابن اسمط، زیاد، ابن مرجانہ اور ولید جیسے اراذل و اوباش کو حاکم بنادیا جس کی وجہ سے اسلامی احکام کی علی الاعلان ہتک حرمت ہوئی۔

مورد بغض علی علیہ السلام امیر شام معاویہ کا بغض امیرالمومنین علیہ السلام کے ساتھ اپنی شہرت و حقیقت میں وہی حیثیت رکھتا ہے کہ جو قضیۂ شیطان و آدم کی ہے۔ دنیا کا کون مورخ سیرت نگار تاریخ دان بلکہ اہل نظر ایسا ہے کہ جسے اس بغض و حسد کی خبر نہ ہو۔ حالانکہ ادھر احادیث صحیحہ میں امیرالمومنین کی محبت و عداوت کے آثار و احکام صراحتا مذکور ہیں چنانچہ حضرت سلمان فارسی پر اعتراض کیا گیا کہ آپ حضرت علیؑ کو زیادہ دوست رکھتے ہیں۔ تو انھوں نے فرمایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔ "ان کا دوست میرا دوست اور ان کا دشمن میرا دشمن ہے"۔ حضرت عمار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے کہ دوست علیؑ کے طوبی اور دشمن علیؑ کے لیے ویل ہے۔ (مستدرک ۳ ص ۱۳۵)

حضرت ابو سعید خدری نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ ہم اہل بیت کا دشمن صرف جہنمی ہوسکتا ہے (مستدرک) حضرت ابوذر فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک منافقین کے علامات میں انکار رسول ترک نماز اور بغض علی تھا۔ (مستدرک) ابن عباس کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؑ کو دیکھ کر فرمایا کہ تم دنیا و آخرت کے سردار ہو۔ تمھارا دوست میرا دوست اور تمھارا

دشمن میرا دشمن ہے۔ عمرو بن شاس اسلمی کہتا ہے کہ میں حضرت علی کے ساتھ یمن جارہا تھا راستہ میں آپ نے مجھے تکلیف دی۔ میں نے پلٹ کر مسجد میں ذکر کردیا۔ ادھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر مل گئی۔ آپ نے بلا کر فرمایا کہ تم نے مجھے اذیت دی ہے۔ اس لیے کہ حضرت علیؑ کی اذیت میری اذیت ہے۔ (مستدرک) حضرت ابوذر کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ "جو علی سے جدا ہوا وہ مجھ سے جدا ہوا اور جو مجھ سے الگ ہوا وہ اللہ سے الگ ہوگیا"۔ صاحب استیعاب نے آپ کے حالات میں یہ حدیث نقل کی ہے کہ بقول پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ "آپؑ کا محب حضرت کا محب اور آپ کا دشمن حضرت کا دشمن ہے۔ جس نے آپ کو اذیت دی اس نے خدا و رسول کو اذیت دی"۔

طبرانی وغیرہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول نقل کیا ہے کہ ان اقوام کو کیا ہوگیا ہے کہ جو حضرت علی سے بغض رکھتے ہیں حالانکہ اس سے بغض مجھ سے بغض ہے۔ وہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں۔ ہم دونوں طینت ابراہیمی سے خلق ہوئے ہیں۔ اے بریدہ یاد رکھ کہ علیؑ میرے بعد تم سب کا ولی ہے۔ ایک مرتبہ چند لوگوں نے آپ کی شکایت آنحضرت سے کی تو حضرت نے فرمایا کہ تم سب علی سے کیا چاہتے ہو؟ وہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں۔ وہ تم سب کا ولی ہے استیعاب میں یہ بھی مذکور ہے کہ آنحضرت نے دوست علیؑ کو مومن اور دشمن علی کو مناف سے تعبیر فرمایا ہے۔

اقول ان روایات کے علاوہ مسلم نے بھی محبت امیر کی روایت نقل کی ہے۔ جس کے تفصیلات کی گنجائش نہیں ہے بلکہ اس سلسلے میں **من کنت مولاہ** کے ساتھ **اللھم وال من والاہ** کا کلمہ اثبات مطلب کے لیے بہت کافی ہے۔

مورد لعنت معاویہ وہ اہل بیت جنھیں اللہ نے ہر رجس ظاہری و باطنی سے پاک کیا جن کی محبت و اطاعت فرض قرار دی جن کو قرآن کا عدیل قرار دیا۔ جن کا ایک محبوب و محب خدا و رسول وزیر و صئی نبی تو ایک بضعۃ الرسول اور بنت النبی دو

سردار جوانان جنت مگر افسوس کہ معاویہ نے ان مقدس ہستیوں کو اپنے قنوت میں مورد لعنت بنادیا۔ اور ان کیساتھ ابن عباس کو بھی شامل کردیا۔ حالانکہ اسے ضرور تا معلوم تھا کہ یہ مرکز وحی معدن علم اہل بیت نبوت اور موضح رسالت ہیں۔ یہی نہیں بلکہ امیرالمومنین براد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر لعنت کو ایک رسمی امر بنا کر تمام اعمال پر لازم قرار دے دیا۔ اور اس طرح جمعہ و عیدین کے خطبوں میں لعنت جاری ہوگئی۔ اور یہ سلسلہ سنہ ۹۹ ہجری تک جاری رہا یہاں تک کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اس سلسلہ کو بند کیا اور ارواح طاہرہ کو یک گونہ سکون نصیب ہوا۔ امام حسن علیہ السلام نے باوجودیکہ شرائط صلح میں یہ طے کیا تھا کہ امام پر لعنت کا سدباب ہوجائے۔ لیکن طبری کامل ابوالفداء ابن شحنہ سب نے نقل کیا ہے کہ حضرت معاویہ نے اس شرط پر وفا نہیں کی۔ بلکہ امام حسن علیہ السلام کے منبر کوفہ پر موجود ہوتے ہوئے امام پر سب و شتم کیا۔ اور جب امام حسین علیہ السلام نے روکنا چاہا تو امام حسن نے منع کیا۔ جیسا کہ مقاتل الطالبین وغیرہ میں مذکور ہے۔ حد ہوگئی کہ امیر شام معاویہ نے اس سب و شتم کا حکم احنف بن قیس اور عقیل کو بھی دیا۔ لیکن انھوں نے قبول نہ کیا (ابوالفدا) عامر بن سعد بن ابی وقاص کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ نے میرے باپ کو سب و شتم کا حکم دیا تو انھوں نے کہا کہ اگر علی کے لیے یہ تین فضائیل نہ ہوتے تو خیر اس لے کہ یہ ایک ایک فضل میری نظر میں ایک عالم سے بہتر ہے۔ اول یہ کہ وہ نبص رسول مثل ہارون موسی ہیں۔ ثانیا یہ کہ انھیں خیبر میں ہم سب پر فوقیت حاصل ہوئی۔ اور ثالثا یہ کہ وہ مباہلہ میں نفس و اہل بیت قرار پائے (مسلم) اہل نظر یہ بھی جانتے ہیں کہ معاویہ نے حجر بن عدی وغیرہ کا خون بھی اس جرم میں بہایا ہے کہ انھوں نے لعنت سے انکار کردیا تھا۔ (آغانی طبری کامل) ان کتابوں میں یہاں تک مذکور ہے کہ عبدالرحمن بن حسان نے جب لعنت سے انکار کیا تو انھیں زیاد کے پاس روانہ کرکے یہ لکھ دیا کہ ان کو اس طرح قتل کرو جس طرح آج تک کوئی قتل نہ ہوا ہو اس نے انھیں زندہ دفن کرادیا۔ ابن ابی الحدید نے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ ایک

اموی نے پوچھ لیا کہ اے امیر یہ سلسلہ کب تک؟ تو کہا کہ جب تک کہ بچے جوان اور ضعیف قریب مرگ نہ ہوجائیں۔ تاکہ کسی کو حضرت علی کی فضیلت یاد نہ رہے۔ یہ تمام باتیں اس وقت تھیں جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی پر سب و شتم کو اپنے سب و شتم کے برابر قرار دیا تھا۔ (حاکم احمد)

استیعاب میں بھی حضرت علی کے حالات میں اس قسم کے روایت مذکور ہیں اس کے علاوہ اسلام کا بدیہی مسئلہ ہے کہ مسلمان کو گالی دینا فسق ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں مذکور ہے (**الا لعنت اللہ علی الکاذبین**)۔

مورد حرب باعلی امیرالمومنینؑ کے لیے بیعت تمام ہونے کے باوجود امیر شام معاویہ نے شام کے اوباشوں کا لشکر تیار کرکے آپ کے مقابلہ کا قصد کیا اور جس کے نتیجہ میں اپنی شقاوت اور خباثت کا مظاہرہ کرکے لاتعداد صالحین و اصحاب و تابعین کو تہ تیغ کردیا۔ حالانکہ قتال مسلم کفر ہے (بخاری و مسلم) تفریق جماعت مستوجب قتل ہے (مسلم) حضرت علیؑ ناکثین و قاسطین و مارقین کے جہاد پر مامور تھے (استیعاب) اور خود فرماتے تھے کہ اب سوائے جنگ یا کفر کے کوئی راہ باقی نہیں ہے۔ امام کے لیئے قرآن مجید کا صریحی حکم کافی تھا کہ اولاً مومنین میں اصلاح کی کوشش کرو اور اگر کوئی تعدی کرے تو اس سے جہاد کرو۔ پھر یہ کہ معاویہ کی بغاوت تو عصر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی سے مسلمانوں کو معلوم ہوچکی تھی۔ جب کہ بروایت حضرت ابوسعید خدری حضرت عمار تعمیر مسجد میں زیادہ حصہ لے رہے تھے۔ اور حضرت نے فرمایا تھا کہ عمار کا قاتل ایک باغی فرقہ ہوگا جو لوگوں کو جہنم کی دعوت دے رہا ہوگا۔ قرآن مجید کے دوسرے حکم کے مطابق جہنم کی دعوت دینے والا امام دار دنیا میں لعنت کا حقدار ہو جاتا ہے۔ افسوس کہ ان بدبخت نام نہاد مسلمانوں نے ان تمام نصوص کو نظر انداز کردیا۔ جن میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی کے قتال کو بالخصوص یا جملہ اہل بیت سے جنگ کو اپنے قتال کے برابر قرار دیا تھا۔

مورد وضع احادیث ابن ابی الحدید ابو جعفر اسکافی سے نقل کیا ہے کہ امیر شام

معاویہ نے حضرت ابوہریرہ ، عمرو العاص ، مغیرہ اور عروہ بن زبیر قسم کے لوگوں کو اس امر پر آمادہ کیا کہ وہ حضرت علیؑ کی منقصت میں روایات وضع کرے اور اس طرح حضرت معاویہ کی حکومت میں یہ کاروبار جاری ہوگیا چنانچہ زہری کہتا ہے کہ مجھ سے عروہ نے حضرت عائشہ کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی و حضرت عباس کو دیکھ کر فرمایا تھا کہ یہ دونوں غیر دین اسلام پر مریں گے۔ (نعوذ باللہ)

عبدالرزاق نے معمر سے نقل کیا ہے کہ عروہ کی دو روایات زہری کے پاس تھے۔ ایک وہی جو ابھی ذکر ہوئی اور ایک کا مضمون یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں بزرگوں کے ناری ہونیکی خبردی ہے۔ (العیاذاللہ)

عمرو العاص نے اپنے فریضہ کے مطابق یہ روایت تیار کی کہ آل ابوطالب میرے دوست نہیں ہیں میرا دوست اللہ ہے اور عباد صالحین (بخاری و مسلم) ابوہریرہ نے یہ روایت وضع کی کہ حضرت امیر نے ابوجہل کی لڑکی کو پیغام دیا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غصہ میں منبر پر اعلان فرمایا کہ میری لڑکی دشمن خدا کی لڑکی کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتی۔ فاطمہ کو اذیت دینا مجھے اذیت دینا ہے۔ اگر حضرت علی کا قصد عقد ثانی کا ہے تو میری لڑکی کو چھوڑ دیں۔ (بخاری و مسلم)

سید مرتضیٰ نے بیان کی ہے کہ یہ روایت حسین کربیسی کی ہے جس کا بغض و حسد معروف ہے۔ ابوجعفر نے اعمش سے یہ روایت نقل کی ہے کہ جب معاویہ کے ساتھ ابوہریرہ عراق آیا تو مسجد کوفہ میں اس نے اعلان کیا کہ لوگ مجھے کاذب خیال کرتے ہیں۔ حالانکہ خدا کی قسم میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص حرم نبی میں کوئی حادثہ واقع کرے گا اس پر خدا و رسول اور تمام انسانوں کی لعنت ہے۔ اور میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ حضرت علی نے ایسا کیا ہے۔ اس کے عوض میں معاویہ نے ابوہریرہ کو انعام کثیر دے کر مدینہ کا حاکم بنادیا۔ حضرت سفیان ثوری نے عمر بن عبدالغفار سے نقل کیا ہے کہ جب ابوہریرہ کوفہ آیا تو

اس نے روزانہ شام کے وقت اپنی نشست قائم کرلی ایک دن ایک شخص (اصبغ بن نباتہ) نے اس سے پوچھا کہ خدا کو حاضر و ناظر جان کر یہ بیان کرو کہ تم نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ سنا ہے یا نہیں کہ حضرت علیؑ کا دوست دوست خدا اور علی کا دشمن دشمن خدا ہے" اس نے اعتراف کیا تو آپ نے فرمایا کہ خدا کی قسم تو حبیب کے خدا دشمن کا دوست ہے اور یہ کہہ کر روانہ ہوگئے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ معاویہ نے امیرالمومنینؑ پر ظلم کی کوئی ترکیب باقی نہیں رکھی۔ **وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون**

مورد نقص عہد جب امیر شام معاویہ نے امام حسن علیہ السلام کو دعوت صلح دی اور آپ کی نظر میں بھی اس میں مصلحت نظر آئی تو آپ نے چند مخصوص شرائط کے ساتھ اسے منظور فرمالیا۔ جس کا واقعہ یہ ہے کہ معاویہ نے ایک سفید کاغذ مہر لگا کر روانہ کردیا کہ آپ جو چاہیں تحریر کردیں۔ (طبری کامل) آپ نے بجائے اپنے دست مبارک سے لکھنے کے معاویہ کے قاصد عبداللہ بن عامر سے لکھوایا اور کاغذ روانہ کردیا۔ حضرت معاویہ نے اس کی نقل امام حسن کے پاس روانہ کی جس کے آخر میں یہ ذکر تھا کہ اس قرار داد پر عمل عہد خدائی ہے کہ جس پر وفا لازم ہے۔ اس کے بعد اس امر کا تمام شام میں کبھی اعلان کرادیا۔ لیکن ظاہر ہے کہ حضرت معاویہ کی نظر میں وفائے عہد سے زیادہ اہم استخلاف تھا۔ اس لیئے اس نے تمام شرائط کو زیر قدم ڈال کر امام حسن کے سامنے امیرالمومنین پر سب و شتم کیا۔ جبکہ مسلمان صلح کا جشن منارہے تھے۔ (صلح الحسن شیخ راضی آل یسین) اور اس طرح معاویہ کے مظالم قتل و غارت غصب و نہب ہتک و تذلیل وغیرہ سلسلہ شروع ہوگیا۔ جس کے آثار اہل تاریخ سے مخفی نہیں ہیں۔ اور پھر ان مصائب و مظالم کا سلسلہ بظاہر اس دن ختم ہوا جبکہ امام حسن کو زہر سے شہید کردیا اور درپردہ اس کی خبریں اس وقت تک پھیلتی رہیں جب تک کہ سبط اصغر فرزند رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قتل نہ ہوگیا۔ اور حرم خدا و رسول کی ہتک حرمت ظہور میں نہ آگئی۔

(یہی وہ مظالم ہیں کہ جن سے آسمان کے شگاف اور زمین کے انقلاب کے آثار پیدا ہوجاتے ہیں)

تاویلات

جمہور مسلمین

مورد صحابیت جمہور مسلمین کا یہ دستور رہا ہے کہ وہ صحابی کی خبر پر بلا تحقیق و تفتیش عمل کرتے رہے ہیں اس لیئے کہ ان کی نظر میں نبی کا ہر صحابی عادل و بے گناہ ہوتا ہے۔ حالانکہ ظاہر ہے کہ یہ بات عقل و نقل دونوں کے معیار سے ساقط ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ صحابیت شرف ہے لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ صحابیت دلیل عصمت نہیں ہے۔ بنابریں خبر کی قبولیت کے لیے راوی کی جانچ ضروری ہے۔ اگر وہ عادل ہے تو خبر پر عمل کیا جائے اور اگر فاسق ہے تو اس کی خبر سے اعراض کیا جائے ۔اور اگر مجہول الحال ہے تو اس کی تفتیش کی جائے۔ عام مسلمانوں کا خیال ہے کہ صحابی کی تقدیس و تعظیم سے منزل نبوت کی تقدیس ہوتی ہے۔ اس لیے صحابہ سے حسن ظن ضروری ہے۔ حالانکہ یہ بات صریح قرآن و سنت کے خلاف ہے قرآن کریم نے مختلف آیات میں صحابہ کے نفاق کی خبر دی ہے۔ بلکہ یہاں تک بیان کیا ہے کہ وفات رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان کے کفر کا احتمال قوی پایا جاتا ہے۔ تو کیا یہ کہ جائے کہ وجود رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی وجہ نفاق تھا؟ کہ آپ کے دنیا سے اٹھتے ہی سب عادل و بے گناہ ہوگئے؟ یا یہ تسلیم کرلیا جائے کہ وفات رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی منجملہ اسباب عدالت و وثاقت ہے "کلا ولا"

خود صحیح بخاری میں صحابہ کے ارتداد و کفر کی آٹھ روائتیں مختلف مقامات پر موجود ہین جس میں مشہور ترین روایت یہ ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روز محشر حوض کوثر پر چند اصحاب کو دیکھکر مسرور ہوں گے۔ تو حکم ہوگا کہ یہ سب ناری ہیں۔ اس لیئے کہ تمھارے بعد کافر ہوگئے تھے۔ کیا ان حالات میں ہر صحابی کا

قول قابل عمل ہو سکتا ہے۔ "حاشا و کلا"

مورد اعراض از عترت جمہور کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ وہ اصول دین کو ابوالحسن اشعری اور ابوالحسن تریدی سے اور فروع دین کو فقہاء اربعہ سے اخذ کرتے ہیں۔ ان حضرات نے عترت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کسی مقام پر کوئی جگہ نہیں دی ہے۔ حالانکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عترت کو امان ارض باب حطہ احد ثقلین اور سفینہ نوح قرار دیا تھا۔ اگر کوئی شخص تفتیش کرے تو اسے معلوم ہوجائے گا۔ کہ جمہور نے اہل بیت علیہ السلام کو عام خوارج و نواصب سے زیادہ اہمیت نہیں دی۔ چنانچہ تحقیقات سے ظاہر ہوا ہے۔ کہ کتب جمہور تمام عترت کے روایات صرف عکرمہ خارجی کے روایات کے برابر ہوں گے۔ اور اس سے بدتر یہ ہے کہ بخاری نے اپنی کتاب میں امام صادق و کاظم و رضا و جواد و عسکری علیہم السلام سے کوئی روایت نقل نہیں کی۔ بلکہ اسی طرح حسن بن حسن زید بن علی یحیی بن زید نفس زکیہ محمد بن عبداللہ ابراہیم بن عبداللہ حسین فخی یحیے بن عبداللہ محمد بن جعفر الصادق محمد بن ابراہیم قاسم ارتسی محمد بن محمد زید بن علی محمد بن قاسم صاحب الطالقان اور دیگر اشراف عترت اور اعیان امت کے روایات کو ترک کر دیا ہے۔ حالانکہ اسی کے مقابل میں عمران بن حطان خارجی مداح ابن بلجم کے بیانات کو درج کیا ہے آہ! آہ!

بات کسی منزل پر پہنچ گئی۔ جمہور کے ان اسرار کی ترجمانی ابن خلدون نے اس وقت کی ہے کہ جب اپنے مقدمہ میں علم فقہ وغیرہ کے ذیل میں تحریر کیا ہے کہ اہل بیت علیہم السلام کے بعض جدید مسائل ہیں۔ جن کی بنا پر وہ صحابہ کی قدح کرنا چاہتے تھے۔ حالانکہ یہ سب واہیات اصول ہیں۔ پھر فرماتے ہیں:۔

"کہ یہ مسائل خوارج کے آراء و انکار سے مشابہ ہیں جن کو جمہور نے کوئی درجہ نہیں دیا ہے۔ اور نہ ہم نے کبھی ان کی طرف اعتناء کی ہے۔ چنانچہ کتب شیعہ صرف ان کے بلا و تک محدود ہیں۔ بر خلاف اس کے مذہب حنفی عراق میں اور مذہب

مالک حجاز میں مذہب احمد شام و بغداد میں اور مذہب شافعی مصر میں مشہور ہے۔
روافض کی وجہ سے فقہ شافعی کا زوال ہوگیا اور وہاں فقہ اہل بیت علیہم السلام رائج ہوگئی۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ میں صلاح الدین کے ہاتھوں ان کا زوال ہوگیا اور فقہ شافعی اپنی منزل پر آگئی"۔

حیف صد حیف یہ گندہ دہن اور خاک بسر انسان اہل بیت کو اہل بدعت شاذ اور مثل خوارج قرار دے کر ان کی توہین کرے اور خدائے کریم ان کی طہارت مودت عظمت کا اعلان کرکے انھیں سفینہ نجات امان امت باب حطہ عروہ الوثقے احدالثقلین قرار دے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی محبت کو وجہ مغفرت اور ان کے پروانہ کو باعث امان از عذاب جہنم قرار دیں۔

کاش ان ارباب مذہب نے اہل بیت علیہم السلام کے اقوال کو کتابوں میں شاذ و ضعیف ہی کی جگہ دی ہوتی۔ مگر افسوس "بیں تفاوت رہ از کجا تابہ کجا"

مورد دعوت تصفیہ اے بردران اسلام! و فرزندان توحید! آخر یہ نزاع تابہ کے۔ اور یہ اختلاف کب تک؟ کیا خدائے وحدہ لاشریک ہم سب کا رب اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم سے کے نبی نہیں ہیں؟ کیا کعبہ ہمارا قبلہ اور قرآن ہماری کتاب نہیں ہے؟ کیا فرائض اسلامیہ ہمارے فرائض اور محرمات ہمارے متروکات نہیں ہیں؟ کیا قیامت و حشر و نشر کا ایمان ہم میں ایک مشترک شئے نہیں ہے؟ تو پھر اس کا مطلب تو یہ ہے کہ ہم میں قانونی کوئی اختلاف نہیں ہے۔ سارا اختلاف انطباقی ہے جس طرح سے ہم میں کسی شئے کے وجوب و حرمت صحت و بطلان جزئیت و شرطیت کی نزاع ہوتی ہے۔ اس طرح کسی شخص کے عدالت و فسق ایمان و نفاق محبت و عداوت کا اختلاف ہے۔ دونوں کا مرجع کتاب و سنت و اجماع و عقل کو ہونا چاہیے۔ اگر کوئی محب خدا ثابت ہوجائے تو سب اس سے محبت کریں اور اگر دشمن اسلام ثابت ہو تو سب اس سے برات کریں۔ خود بخاری نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ مجتہد اگر مطابق واقعہ کہے گا تو وہ دو اجر

اور اگر اتفاقاً خطا کرگیا تو ایک اجر اسے ضرور ملے گا۔ ابن حزم نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ خطائے اجتہادی موجب فسق و کفر نہیں ہے۔ وہ فروع دین میں ہو یا اصول میں اور یہی رائے ابن ابی لیلی ابوحنیفہ شافعی سفیان ثوری اور داود بن علی وغیرہ کی ہے۔

ان تصریحات کی روشنی میں آخر باہمی تکفیر و تفسیق کا سبب کیا ہے؟ کیا مسلمان آپ میں بھائی بھائی نہیں ہیں؟ کیا اختلاف موجب ضعف نہیں ہوتا؟ کیا تفرقہ انداز لوگوں کے لیئے عذاب عظیم نہیں ہے؟ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث متواتر و مشہور ہے کہ مسلمان آپس میں متحد ہیں اگر کوئی ان میں اختلاف پیدا کرے گا تو اس پر خدا و رسول و ملائکہ و جمیع انسان سب کی لعنت ہوگی۔

اللهم اهد قومی فانهم لا يعلمون

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

96.2.22 Th

NAJAFI BOOK LIBRARY
Shop No. 11, M. L. Heights Mirza Kaleej Baig Road, Soldier Bazar Karachi.
MASOOMEEN WELFARE TRUST (R)

Rs 35.00